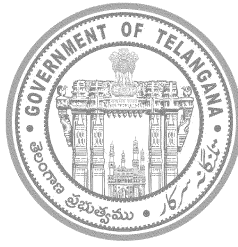


اقدار کی تعلیم - حیاتی مہارتیں

کتابچہ برائے اساتذہ

جماعت: ہفتم



ریاستی ادارہ برائے تعلیمی تحقیق و تربیت

تلنگانہ، حیدرآباد



پیش لفظ

انسان سماجی جانور ہے۔ اپنی بقاء کے لیے ضروری سماج کی تشکیل دیا ہے اس نظام کی دیکھ بھال، میل جول، بقاء اور ترقی کے لیے ضروری فہم اور بھروسہ ضروری ہے۔ اس کے لیے متحدہ جدوجہد اور باہمی تعاون بھی ضروری ہے۔ اس لیے انسانی سماج میں جانے پہچانے اور پسندیدہ اصولوں کی ضرورت ہے۔ جیسا ہم چاہتے ہیں ویسا برتاؤ کر نہیں سکتے۔ ہر سماج کے اپنے کچھ اخلاقی بنیادی اصول ہوتے ہیں۔ یہ اخلاقی اصول اکثریت کے لیے قابل قبول ہوتے ہیں۔

ایمانداری کے اصول ہمارے چال و چلن کے لیے مشعل راہ ہیں۔ اس لیے بچوں کو بھی چاہیے کہ اس پر عمل پیرا ہوں۔ اخلاقی ترقی سے مراد کچھ اصولوں پر عمل پیرا ہوتا ہے یا کسی کے ذریعہ ترتیب دیئے گئے مثالی نمونوں کے مطابق عمل پیرا ہونا ہی نہیں ہے بلکہ اخلاقی ترقی سیراد ہر موع پر صحیح وجوہات کی جانکاری حاصل کرنا، مدبرانہ فیصلہ کرتے ہوئے اس کے مطابق عمل پیرا ہونے کی صلاحیت کے حامل ہونا اخلاقی شعور کے ذریعہ لیے گئے فیصلہ سے ہم میں استقامت، امن و سکون سے رہنے کی صلاحیت فروغ پاتی ہے۔ یہ کام مجھے زبردستی تفویض کیا گیا ہے۔ ”اس لیے میں اس کو تکمیل کر رہا ہوں“ اس طرح کی منفی سوچ ہمیں رکھنا چاہیے۔ اس طرح ایک شخص کا خود امن و سکون، سکھ چین، آرام اور استقامت سے رہنا ہی اخلاقی ترقی کا خلاصہ ہے۔ اس کے لیے ضروری مہارتوں کا ہونا ہی زندگی کا ہنر ہے۔ اس میں مسائل کو حل کر لینا، بل جل کر کام انجام دینا، جذبات کا اظہار کرنا، قیادت کرنا، دوسروں سے خوشگوار تعلقات استوار کرنا ضروری ہے۔

یہ ایک اہم رجحان ہے کہ آج معاشرہ میں اخلاقی اقدار بد قسمتی سے زوال پذیر ہے۔ ہمارے اندر موجود مفاد پرستی، لالچ، بے ایمانی، اخلاقی اصولوں کا استحصال خود غرضی، انا پرستی جیسی بری عادتوں کی وجہ سے ہم اپنی زندگی کو پیچیدہ بنانے کے ساتھ ساتھ اپنے ماحول کو بھی آلودہ کر رہے ہیں۔ اس سے بے چینی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اخلاقی اقدار میں زوال کے ساتھ ساتھ بڑھتے ہوئے ذہنی تناؤ، تہمتیں نہیں ہوتے ہوئے انسانی اخلاق اور انسانی رشتوں کو ہم محسوس کر سکتے ہیں۔ یہ تمام ایک دن یا ایک سال میں رونما نہیں ہوتے ہیں۔ ہماری زندگیوں میں صبر، مساوات، اچھے برے کی تمیز کا فقدان اس کی اصل وجہ ہے۔ اس کی جگہ پر لالچ، چوری جیسی بری عادتیں جنم لے رہی ہیں۔ نتیجتاً سماج میں عدم تحفظ، عدم اعتمادی، چھوٹا خاندان، اقدار کی زوال پذیری، سماج میں بے چینی جیسے امور دیکھے جا رہے ہیں۔

ان کے تدارک کے لیے تعلیم کو ایک آلہ سمجھتے ہوئے اقداری تعلیم، حیاتی مہارتوں کے موضوع کو اسکولی تعلیم میں جماعت اول تا دہم ایک اہم مضمون کے طور پر متعارف کیا گیا ہے۔ اس کے ذریعہ بچے اسکولس تعلیم کے مکمل کرنے تک استدلالی غور و فکر کے حامل شہری کی طرح نشوونما پانے کے لیے درکار تربیت حاصل کریں گے۔

اعلیٰ اقدار، روئے، جذبہ ایثار، سماج ماحول اور اپنے ساتھیوں کے متعلق مخلصانہ و ہمدردانہ رویہ کا اظہار، ذمہ دار شہری



کے طور پر نشوونما کے لیے درکار نصاب (Syllabus) ریاستی ادارہ برائے تعلیمی تحقیق و تربیت حیدرآباد کی جانب سے تیار کیا گیا ہے۔ بچے آزادی سے گفتگو کرنا، سوالات کرنا، رد عمل ظاہر کرنا، اچھے برے کی تمیز کرنے کے قابل ہوں یہ بات ریاستی درسیاتی خاکہ 2011 کے ریاستی ویژن میں بیان کئے گئے ہیں۔ اس کو مد نظر رکھتے ہوئے ریاست میں جماعت اول تا دہم تک اقداری تعلیم، حیاتیاتی مہارتیں نصاب تدوین کیا گیا۔ پھر جماعت واری تدریسی واکتسابی کارگزاری کے لیے اساتذہ کے لیے کتابچہ تیار کیا گیا۔ جماعت اول تا دہم تک فروغ دیے جانے والے 18 اہم اقدار کی شناخت کر کے ہر جماعت میں ان کے متعلقہ اسباق سے جوڑ دیا گیا ہے۔ جو

(1) آزادی (2) مطمئن زندگی (3) کردار سازی (4) زندگی کی مہارتیں (5) احساس ذمہ داری (6) بچت (7) صحت کی قدر (8) تہذیب و تمدن سے محبت (9) سائنسی رجحان (10) انصاف (11) امن و چین سے مل جل کر زندگی گزارنا (12) محنت کی قدر (13) خدمت کا جذبہ (14) مساوات، بھائی چارگی، خواتین کے تئیں عزت (15) قومی جذبات۔ حب الوطنی (16) سیکولرزم۔ مذہبی رواداری (17) جمہوریت میں اقدار سے محبت (18) ایمانداری

ان میں سے 12 تعین سطحی اقدار اور فوقانوی سطح کے لیے جملہ 8 اقدار پر متعین ہے۔ ایک ایک قدر، ذیلی قدر کو تعین کرتے ہوئے اسباق تیار کئے گئے ہیں۔

اقدار (اخلاق) تدریس کے ذریعہ حاصل نہیں ہو سکتے۔ اس کا حصول عمل کے ذریعہ ممکن ہے۔ لہذا جماعت واری تیار کئے گئے اساتذہ کے کتابچہ میں، مناظر، واقعات، ہر منحصر بحث و مباحثہ، عمل کرنا، رد عمل ظاہر کرنا، جیسے سرگرمیوں سے مربوط ابواب شامل ہیں۔ مباحثہ کے ذریعہ روئے کی تربیت ہونا چاہئے۔ عمل کے ذریعہ برتاؤ میں تبدیلی کی امید کرتے ہوئے اسباق تیار کئے گئے ہیں۔ اس کو رو بہ عمل لانا چاہئے۔ ہماری ذمہ داری ہے اساتذہ کی رہنمائی کے لیے ہدایات کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اسی طرح طلباء کے لیے ہدایات بھی موجود ہیں۔

چاہے کتنا ہے اچھا کتابچہ کیوں نہ ہو وہ معلم کی برابری نہیں کر سکتا۔ معلم خود کو ایک مثالی نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہوئے اقدار کے فروغ کی کوشش کرے۔ نصابی منصوبہ اور جماعت واری منصوبہ کے تحت تیار کئے گئے کتابچہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے درس و تدریس کا کام انجام دیں۔ دستور ہند کے دیباچہ میں بتائے گئے عملی اقدار، روئے، استعداد لالی غور و فکر کے حامل شہری کی طرح فروغ پانے کے لیے ایک معلم کی حیثیت سے ہماری جانب سے پوری پوری کوششیں ہونی چاہئے۔ اس کتابچہ میں موجود نکات سے آپ کو کچھ حد تک رہنمائی مل سکتی ہے۔ اسی تک محدود نہ ہوتے ہوئے اس کے علاوہ دوسرا زائد مواد جمع کر کے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اقدار پر مبنی سماج کی تشکیل کے لیے ہماری یہ ادنیٰ کوشش چاہے ذرہ برابر ہی کیوں نہ ہو طلباء کے ذہنوں کو منور کرے گی۔ اس اعتماد کے ساتھ کوششیں کریں گے اور کامیابی حاصل کریں گے۔



مرتبین

شری سورتا و نانک، کوآرڈینیٹر، ایس سی ای آر ٹی، حیدرآباد	شری سورتی کے آر ٹی ایل جیو ترمی، کچھرا ایس سی ای آر ٹی، حیدرآباد۔
شری ٹی وی ایس ریش، کوآرڈینیٹر، ایس سی ای آر ٹی، حیدرآباد	شری سورتی یو بیگما، تگلو پنڈت، ایس سی ای آر ٹی، حیدرآباد۔
شری سری نیواسولا رگھورام، معلم، پرائمری اسکول گرنڈھی سری، ضلع نیلور	شری سورتی ونکا پوری سورنالتا، معلمہ، GHS، پاتا پنٹم، پولادورم، ضلع مغربی گوداوری
شری ایل ایم، پراسا، معلم، GHS، CPL، امیر پیٹ، حیدرآباد	شری سورتی آگوڈوری سرلماس، معلمہ، GPS، چیرلا پٹی، چتور ضلع
شری بسیو لاپرتاپ، معلم، GPS، گما، چیتنا، عادل آباد	شری سورتی پی مادھوی، تگلو پنڈت، بی وی بی اے آر اسکول جوہلی ہلس، حیدرآباد
شری بلگم رام موہن، معلم، GPS، رویندراپور، مدھول، ضلع عادل آباد	شری سورتی جی بسرالادیوی، معلمہ، GPS، گنگاپور، محبوب نگر

شری نندی گاما کشورکار، تگلو پنڈت، GHS، اپاٹور، ضلع محبوب نگر

معاونین

شری سورتی ڈاکٹر رما دیوی، کچھرا، ایس سی ای آر ٹی، حیدرآباد۔	شری وی سرتھ با بو، تگلو پنڈت، بیتا بھل منڈی، حیدرآباد۔
شری ڈاکٹر ڈی نریش با بو، تگلو پنڈت، GHS، گوسا ڈو، ضلع کرنول۔	شری ڈی چنیا، اسکول اسٹنٹ، بگت گیری نگر، رنگا ریڈی۔
شری آر وٹھل شرما، معلم، ضلع کریم نگر۔	شری ڈاکٹر جی وشنو پراسا، اسکول اسٹنٹ، ضلع کرشنا۔
شری کے بشویشور راؤ، معلم، ضلع سریکا کلم۔	شری ڈی چناراؤ، تگلو پنڈت، ضلع وجیا نگر۔
شری اے سری نیواس راؤ، اسکول اسٹنٹ، ضلع وجیا نگر۔	

ایڈیٹر اینڈ کوآرڈینیٹر

جناب محمد افتخار الدین شاد، ریاستی ادارہ برائے تعلیمی تحقیق و تربیت، تلنگانہ، حیدرآباد۔

مشیر

جناب ڈاکٹر این او پیندر ریڈی، پروفیسر و صدر شعبہ نصاب و درسی کتب، ریاستی ادارہ برائے تعلیمی تحقیق و تربیت، تلنگانہ، حیدرآباد

مشیران اعلیٰ

جناب ایس جگناتھ ریڈی

ڈائریکٹر،

ریاستی ادارہ برائے تعلیمی تحقیق و تربیت، تلنگانہ، حیدرآباد۔

جناب جی۔ گوپال ریڈی

سابق ڈائریکٹر،

ریاستی ادارہ برائے تعلیمی تحقیق و تربیت، تلنگانہ، حیدرآباد۔



اسمائے مترجمین و مرتبین

- جناب محمد عبدالمنین، گزٹیڈ ہیڈ ماسٹر،
ضلع پریشد چونابلی، ضلع نظام آباد۔
- جناب محمد ظہیر الدین، اسکول اسٹنٹ،
ضلع پریشد ہائی اسکول، آرمور، ضلع نظام آباد۔
- جناب محمد عبدالمعز، اسکول اسٹنٹ
گورنمنٹ ہائی اسکول، سواران، ضلع کریم نگر۔
- جناب محمد یسین شریف، گزٹیڈ ہیڈ ماسٹر،
نئی کودور، ضلع ورنگل۔
- جناب محمد مظفر اللہ خان، اسکول اسٹنٹ (اردو)
گورنمنٹ ہائی اسکول درگماں گڈہ، ضلع کریم نگر۔
- جناب محمد سرور، اسکول اسٹنٹ،
گورنمنٹ ہائی اسکول تکریم پورہ، ضلع کریم نگر۔
- جناب عطا الرحمن، اسکول اسٹنٹ
ایم پی یو پی ایس، جنارم، ضلع عادل آباد۔
- جناب خورشید علی ہاشمی، اسکول اسٹنٹ
گورنمنٹ گزٹیڈ ہائی اسکول نمبر 1، ضلع عادل آباد۔
- جناب محمد علیم الدین، اسکول اسٹنٹ
ضلع پریشد ہائی اسکول، پٹور، ضلع رنگاریڈی۔
- جناب عبدالرؤف، اسکول اسٹنٹ
ضلع پریشد ہائی اسکول (ذکور) اڈکور، ضلع محبوب نگر۔
- کیونرنگ: ٹی محمد مصطفیٰ، حبیب کمپیوٹرس، بھولکپور، مشیر آباد۔
- جناب محمد نذیر احمد، موظف لکچرر
ایس بی ای آر ٹی، حیدر آباد۔
- ڈاکٹر محمد عبدالقدیر، اسکول اسٹنٹ،
ضلع پریشد ہائی اسکول، پوتھ، ضلع عادل آباد۔
- جناب فضل احمد اشرفی، معلم اردو
گورنمنٹ ہوائی اسکول، کوٹلہ عالیجاہ، حیدر آباد۔
- جناب محمد عبدالرحمن شریف، معلم اردو
گورنمنٹ ہائی اسکول، پولیس لائن ضلع محبوب نگر۔
- جناب محمد حمید خان، معلم اردو
جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد۔
- جناب خواجہ مخدوم محی الدین، اسکول اسٹنٹ،
ضلع پریشد ہائی اسکول، رامانگدم، ضلع کریم نگر۔
- جناب انصار اللہ، اسکول اسٹنٹ
گورنمنٹ ہائی اسکول، اسرئی کالونی، نزل، ضلع عادل آباد۔
- جناب محمد ایوب احمد، اسکول اسٹنٹ
ضلع پریشد ہائی اسکول (اردو)، آتما کور، ضلع محبوب نگر۔
- جناب ارشد محمد، ایس آر جی۔
ایم پی پی ایس، بیما گڈہ، ضلع عادل آباد۔
- جناب محمد اعجاز الدین، ایس جی ٹی
گورنمنٹ پرائمری اسکول، نیابازار، ضلع کھم۔



اساتذہ کے لیے ہدایتیں

- ”اقدار کی تعلیم- حیاتی مہارتیں“ کتابچے جماعت اول تا دہم ترتیب دی گئی ہیں یہ کتابیں بچوں کو ملحوظ رکھ کر تیار کی گئی ہیں۔ یعنی اساتذہ ان کا استعمال تدریسی و اکتسابی سرگرمیوں کے نظم اور بچوں کے خود اکتساب کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔
- ایک تعلیمی سال میں محکمہ تعلیمات کی جانب سے مضمون واری مختص کیے گئے پیریڈ کی تعداد کے مطابق جماعت واری اسباق کو شامل کیا گیا ہے۔
- جماعت ششم تا جماعت دہم ہفتہ میں 48 پیریڈ ہوتے ہیں۔ ان میں ہر مضمون کے تحت پیریڈ کی تقسیم حسب ذیل ہوگی۔

زبان اول	-	6 پیریڈ	سماجی علم	-	6 پیریڈ
زبان دوم	-	3 پیریڈ	اقدار کی تعلیم	-	2 پیریڈ
زبان سوم	-	6 پیریڈ	صحت و جسمانی تعلیم	-	3 پیریڈ
ریاضی	-	8 پیریڈ	فنون و ثقافتی تعلیم	-	3 پیریڈ
فزیکل سائنس	-	4 پیریڈ	کام، کمپیوٹر کی تعلیم	-	3 پیریڈ
حیاتیات	-	4 پیریڈ	جملہ	-	48 پیریڈ

- اقدار کی تعلیم حیاتی مہارتوں کے تحت تدریسی و اکتسابی سرگرمیوں کے نظام کے لیے تھانوی سطح پر ہفتہ میں ایک پیریڈ، فوقانوی سطح کے لیے ہفتہ میں دو پیریڈ ہیں اور اسی مناسبت سے اسباق ترتیب دیے گئے ہیں۔
- تھانوی سطح پر 12 اہم اقدار کی بنیاد پر 12 اسباق شامل کئے گئے ہیں۔ اسی طرح فوقانوی سطح پر 18 اہم اقدار کی بنیاد پر 18 اسباق شامل کیے گئے ہیں۔
- ان کے علاوہ اقدار کے فروغ میں معاون نظموں، کہانیوں، گیتوں، نغموں کو زائد طور پر شامل کیا گیا ہے۔ جماعت سے سوم سے ممتاز شخصیتوں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔
- ایک سبق میں مضمون کی ترتیب حسب ذیل ہوگی۔
- ☆ سبق کا نام ☆ اہم قدر ☆ ذیلی قدر ☆ متوقع نتائج/ مقاصد ☆ تمہید/ مضمون/ واقعات/ بیانیے ☆ مشقیں- سوچنا- ردعمل ظاہر کرنا
- جماعت کا مشغلہ گروہی کام: عمل کرنا- تجربہ بیان کرنا ☆ قول
- اقدار کی تعلیم اور حیاتی مہارتوں سے تعلق رکھنے والے نکات خاص طور پر مباحثہ کے لیے ہیں۔ ان پر عمل کرتے ہوئے تجربات کے تبادلہ خیال کو اہمیت دی گئی ہے۔ لہذا جہاں تک ہو سکے انہیں لکھانے کی کوشش نہ کی جائے۔
- سوچنا- ردعمل ظاہر کرنا: کے تحت دیے گئے سوالوں کے ذریعہ کمرہ جماعت میں مباحثہ کا اہتمام کریں۔ مابعد کمرہ جماعت کا مشغلہ- گروہی کام کروائیں اسی طرح عمل کیجیے۔ تجربات بیان کیجیے کے تحت دیے گئے امور پر عمل آوری کرواتے ہوئے بچوں سے ان کے تجربات اور احساسات بیان کروائیں۔
- دیگر مضامین کی طرح اقدار کی تعلیم- حیاتی مہارتیں کی بھی جانچ کی جائے۔ ان کی جانچ مجموعی جانچ کی طرح کی جائے۔ یعنی ایک تعلیمی سال میں تین مرتبہ جانچ کرنی ہوگی۔ اس کے لیے امتحانات منعقد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بچوں کا مشاہدہ کرتے ہوئے ان کے تجربات، اطلاق، چال چلن، اقدار وغیرہ کی بنیاد پر جانچ کی جائے۔



- ان کی جانچ 50 نشانات پر مشتمل ہوگی۔ اقدار کی تعلیم۔ مہارتیں کی بنیاد پر بچوں میں تعلیمی معیار کو فروغ دیں وہ اس طرح ہیں۔
- (1) اچھے اور برے کی تمیز کرنا، اچھے کردار کے حامل ہونا (2) دستوری اصولوں پر عمل کرنا (3) شخصی اقدار یعنی قوت برداشت، رحمی، یگانگت وغیرہ کے حامل ہونا (4) حیاتی مہارتوں کے حامل ہونا (5) اساتذہ، بزرگوں، سماج اور حکومت کے تین مناسب رویہ کے حامل ہونا (6) مذکورہ بالا تعلیمی معیار کا جائزہ متعلقہ اسباق سے لیا جاپان کے حصول کو مد نظر رکھتے ہوئے اہم اقدار سے متعلق اسباق جماعت واری دئے گئے ہیں۔ ایک استعداد کے لیے 10 نشانات کے حساب سے 50 نشانات کے لیے جانچ منعقد کریں۔

- بچوں کی ترقی کا جائزہ لے کر گریڈنگ درج کریں۔

91%	-	A1
71% - 90%	-	A2
51% - 70%	-	B1
41% - 50%	-	B2
0% - 40%	-	C

- بچوں کی ترقی کی گریڈنگ درج کرتے وقت ان سے متعلق کیفیت بھی درج کریں۔

- تدریسی واکتسابی سرگرمیوں کے اہتمام کا طریقہ۔ تھانوی سطح

- تمہید سے واقف کروائیں۔

پہلا پیریڈ

- سبق سے متعلق مناظر یا حالات/واقعات/بیانے کسی ایک سے پڑھوائیں یا کہلوائیں۔

- سوچے۔ رد عمل ظاہر کیجیے کے تحت دیے گئے سوالوں کی بنیاد پر کمرہ جماعت میں مباحثہ منعقد کریں۔

- چالیس سے متعلق مواد کے بارے میں بچوں کو بتلائیں یا کسی ایک سے پڑھوائیں۔ مباحثہ کے ذریعہ فہم پہنچائیں۔

- کمرہ جماعت کا مشغلہ۔ گروہی کام کے لیے بچوں کو گروہی طور پر تقسیم کریں۔ ہر گروپ کے کام کا مظاہرہ کروائیں۔

- عمل کیجیے۔ تجربات بیان کیجیے سے متعلق امور پر عمل آوری گھر میں کرنے کے لیے کہیں۔

- کتاب کے آخر میں ضمیمہ کے تحت شامل کی گئیں کہانیوں/نغموں/نظموں/احادیث/ممتاز شخصیتوں کے بارے میں بچوں

تیسرا پیریڈ

- سے کمرہ جماعت میں پڑھوائیں اور مباحثہ کے ذریعہ فہم پہنچائیں۔

- اس کے بعد عمل کیجیے۔ تجربات بیان کیجیے سے متعلق ایک ایک طالب علم سے گفتگو کروائیں۔

- سبق کے آخر میں دیے گئے قول سے واقف کروائیں۔

- اسکولوں میں اقدار کی تعلیم، حیاتی مہارتیں کی کتابیں بچوں کو بھی دی جاسکتی ہیں۔ لائبریری پیریڈ یا نظہرانے کے درمیان بچوں کو مطالعہ کے لیے یہ کتابیں دی جاسکتی ہیں۔

- اقدار کی تعلیم۔ حیاتی مہارتیں کے تحت دیے گئے مناظر یا حالات، واقعات، اقوال، نظمیں، احادیث، کہانیاں، ممتاز شخصیتوں سے متعلق مزید نکات حاصل کر کے بچوں کو واقف کروا سکتے ہیں اور ان کی بنیاد پر مباحثے، گروہی کام، عمل کیجیے۔ تجربات بیان کیجیے وغیرہ کا اہتمام کیا جاسکتا ہے۔

- اسکول کی لائبریری میں موجود کتابوں، میگزینوں اخباروں وغیرہ کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔

- طلباء کے لیے ہدایتیں بھی دی گئیں ہیں۔ ان ہدایتوں کو پہلے پیریڈ میں پڑھ کر سنائیں اور ان کے بارے میں سمجھائیں ان کے مطابق بچوں کو عمل کرنے والا بنائیں۔



طلبا کے لیے ہدایات

- ☆ پیارے بچو! ”اقداری تعلیم، حیاتی مہارتیں“ نامی یہ کتاب آپ ہی کے لیے مرتب کی گئی ہے۔
- ☆ ان میں موجود اسباق، نظمیں، کہانیاں، اقوال زرین، رہنماؤں سے متعلق آپ کے اساتذہ آپ کو بتلائیں گے یا پھر آپ خود پڑھیں، دوسروں کو بتائیں اور ان سے گفتگو کریں۔
- ☆ ہفتہ میں ایک دن اس کی تدریس کی جائے گی۔
- ☆ معلم کسی ایک عنوان کے پس منظر واقعہ کے عنوان کے مطابق طلباء میں کوئی ایک طالب علم پڑھنے کے بعد چند سوالات پوچھے گا، آپ ان سوالات کے جواب سوچ کر دیجئے اور بحث میں حصہ لیجئے۔
- ☆ کمرہ جماعت میں گروہی مشاغل کا انعقاد ہوگا۔ آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مشاغل میں حصہ لیجئے۔ اپنے گفتگو کردہ نکات کمرہ جماعت میں بیان کیجئے۔
- ☆ عنوان کے تحت آپ کو کام تفویض کئے جائیں گے، تفویض کردہ کام کیجئے۔
- ☆ اس کے بعد والے پہرے کو کیا کیا گیا؟ آپ کو کیسا محسوس ہوا؟ اس سے آپ نے کیا سیکھا؟ وغیرہ اور اپنے تجربات بیان کیجئے۔
- ☆ اس کے تحت زیادہ تر نکات انجام دینے اور بیان کرنے کیلئے رکھے گئے۔ ان کو لکھنے کی کوشش نہ کریں۔
- ☆ آپ کو معلوم کردہ مباحث کردہ نکات کی بنیاد پر اخبارات، رسالوں کا مطالعہ کیجئے۔ ان کے ذریعہ جمع کردہ عنوانات، خبریں، اقوال زرین وغیرہ کو کمرہ جماعت میں پڑھ کر سنائیں۔ اس کے بعد ان کو دیواری رسالہ پر چسپاں کریں۔
- ☆ ان نکات کی بھی جانچ ہوگی۔ لیکن ان کے امتحان ہوں گے۔ آپ کی ان سرگرمیوں میں شمولیت کیسی ہے؟
- ☆ آپ کا برتاؤ کیسا ہے؟ آپ میں کیا تبدیلی واقع ہوئی ہے؟ وغیرہ نکات کا آپ کے اساتذہ جائزہ لے کر نشانات دیں گے۔ اس کی بنیاد پر آپ کو گریڈ تک دی جائے گی۔
- ☆ اس طرح تعلیمی سال میں تین مرتبہ آپ کی جانچ ہوگی اور اندراج ہوگا۔ پہلا مجموعی، دوسرا مجموعی اور تیسرا مجموعی جانچ کے علاوہ آپ کی سرگرمیوں سے متعلق جائزہ لے کر آپ کی ترقی کا اندراج کیا جائے گا۔
- ☆ جماعت دہم کے میمورسٹیفکٹ میں بھی ان کی تفصیلات درج ہوں گی۔
- ☆ پکوان کتنا بہترین کیوں نہ ہو اس میں اگر ایک چٹکی نمک نہ ہو تو ذائقہ حاصل نہ ہوگا۔ اس طرح ہم چاہے کتنی بھی تعلیم حاصل کر لیں، کونسا بھی گریڈ حاصل کر لیں، اگر ہم میں ادب و احترام، قوت برداشت، حیا اور امتیاز نہ ہو تو ہماری قدر نہ ہوگی۔ لہذا اقداری تعلیم، حیاتی تعلیم کے اسباق کے ذریعہ آپ ترقی حاصل کریں۔



فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوان سبق	سکھائے جانے والی قدر	اہم قدر	سلسلہ نشان
1	اظہار خیال	دستور میں فراہم کردہ آزادی کے تین آگاہی حاصل کرنا۔	آزادی	1
10	مقصد کے حصول میں طمأنیت	متوقع مقاصد کے حاصل کرنے کے بعد طمانیت اور مسرت حاصل کرنے	مطمئن زندگی گزارنا	2
16	قوت برداشت	برداشت کی خوبی اپنائیں	کردار سازی	3
22	انسانیت	انسانی رشتے قدریں	حیاتی مہارتیں	4
29	فرائض کی انجام دہی	مدرسہ کی ترقی میں طلباء کی ذمہ داری کا فہم حاصل کریں۔	ذمہ داری نبھانا، فرائض کی انجام دہی	5
36	پیش بینی	کل کے لئے بچت کرنے پر آگہی حاصل کرنا۔	بچت	6
40	طرز زندگی	اچھی صحت کیلئے ورزش، کھیل کود اور یوگا آسن وغیرہ معاون ہوتے ہیں۔	صحت کے اقدار	7
47	قدرتی ماحول سے محبت	قدرت ماحول سے محبت پیدا کرنا	رسم و رواج	8
50	آلودگی کی روک تھام	ہوائی آلودگی کے بارے باشعور ہونا۔	ماحولیات	9
54	بدلاؤ	بدلاؤ کو تسلیم کرنا، تنقید کو قبول کرنا۔	سائنسی رجحان	10



60	انصاف کی لڑائی	نا انصافی کے خلاف آواز اٹھانا	انصاف	11
66	جانوروں پر تشدد	جانداروں پر تشدد	امن و بھائی چارگی۔ مل جل کر زندگی گزارنا	12
69	خدمات	مختلف پیشہ وروں کی خدمات کی نشانہ ہی کرنا۔	محنت کی قدر	13
74	بزرگوں کی خدمت	بزرگوں کے تئیں خدمت کا جذبہ رکھنا	خدمت کا جذبہ	14
81	ہمدردی	ہمدردی کے حامل افراد کے تعلق سے جانیں گے	مساوات، بھائی چارگی، عورتوں کے تئیں جذبہ احترام	15
89	ترغیب	حب الوطنوں کی توارخ سے ترغیب حاصل کرنا۔	حب الوطنی۔ قومی جذبہ	16
92	مذہبیت	مذہب صراط مستقیم پر چلاتا ہے۔	مذہبی رواداری۔ سیکولرزم	17
106	عوام کی شرکت	دیہی نظم و نسق میں جمہوریت کا رول	جمہوری اقدار کی تئیں احترام	18

ضمیمہ

- 1- حمد
- 2- نعت
- 3- رباعیات
- 4- کہانیاں
- 5- ممتاز شخصیات



اظہار خیال

1

I- اہم قدر : آزادی

II- ذیلی قدر : دستور میں فراہم کردہ آزادی کے تئیں آگاہی حاصل کرنا۔

(تقریری آزادی اظہار خیال کی آزادی)

III- مقاصد، مطلوبہ نتائج : ☆ اپنے خیالات کا آزادانہ طور پر اظہار کر سکتے ہیں۔

☆ غور و فکر کر کے خیالات کا اظہار کرنا

IV- تمہید : آزادی سے کیا مراد ہے؟ اس کی ضرورت کیا ہے؟ اس کا استفادہ حاصل کس طرح کریں؟ ملک کے شہریوں

کو کس طرح کے حقوق اور ذمہ داریاں ہونی چاہیے؟ ہم اپنے آپ پر کس طرح حکومت کریں۔ اس سے متعلقہ تمام موضوعات کے اصول و ضوابط کے حامل دستور کو ہم مدون کر چکے ہیں۔

ہم کو دستور نے مختلف قسم کی آزادی فراہم کی ہے۔ اس کے ذریعہ ہم کو کئی قسم کے حقوق اور ذمہ داریاں

حاصل ہیں۔ کام کرنے کا حق، مذہبی آزادی کا حق، بولنے کا حق، تکلیف سے نجات حاصل کرنے کا حق، ووٹ کا

حق (حق رائے دہی) وغیرہ شامل ہیں۔ ان حقوق میں سب سے اہم 'تقریر کا حق' اظہار خیال کی

آزادی، وغیرہ جمہوری ملکوں میں یہ سب سے اہم حقوق ہیں۔ اس کی وجہ سے ہم اپنے خیالات کا اظہار آزادانہ

طور پر کر سکتے ہیں۔ فسطائی ملکوں میں اور بادشاہی حکومتوں میں اس طرح کی آزادی نہیں ہے۔ ان کے متعلق

اس باب میں ہم جانیں گے۔

V- واقعات

واقعہ- 1 واقعات کا مشاہدہ کریں۔

انتخابات کا زمانہ ہے۔ ایک سیاسی پارٹی اپنے کئے جانے والے ترقیاتی کاموں کے بارے میں اپنی پارٹی کا مینوفیسٹو

(منشور) کے بارے میں وعدوں کے بارے میں اعلان کیا۔ اس کے بارے میں عوام نے اپنے خیالات کا اظہار اخبارات کے ذریعہ

کیا۔ اور اس پر پارٹی کے لیڈروں سے عوام کے خیالات پر بحث و مباحثہ ہوتے ہیں۔ اس مباحثہ میں مختلف سیاسی پارٹیوں کے

نمائندے اور عام لوگ بھی شریک ہیں۔ ایک سیاسی پارٹی جب اپنے کئے جانے والے کاموں کے بارے میں کہتی ہے۔ تب ایک اور سیاسی پارٹی کی نمائندگی کرنے والے کہتے ہیں کہ سابق میں بھی آپ نے یہی وعدہ کیا تھا اس کو کہاں تک پورا کیا۔“ انتخابات کے وقت اپنے مفاد کے لئے وعدہ تو کرتے ہیں۔ لیکن جب اقتدار میں آتے ہیں تو ذرہ برابر بھی اپنے وعدے کی تکمیل نہیں کرتے۔“ ایک شہری نے سوال کیا۔

واقعہ-2

حکومت نے دو روپے فی کلو چاول، کی اسکیم رو بہ عمل لائی۔ اس اسکیم کے بارے میں اچھی اسکیم ہے کہہ کر چند لوگوں نے تعریف کی۔ برسر اقتدار جماعت اپنے مفاد کے لئے یہ اسکیم نافذ کی ہے مگر مفاد عامہ کی خاطر نہیں۔“ عوام کو کاہل اور سست بنانے میں یہ اسکیم بہت سود مند ہوگی۔ وغیرہ جیسے خیالات کو عوام مختلف تشہیری ذرائع سے ظاہر کیا۔

واقعہ-3

سابق میں ایک سیاسی جماعت نے ”ویژن 2020“ کو اپنے (مینوفیسٹو) منشور میں پیش کیا۔ جس کی رو سے یہ اعلان کیا کہ 2020ء تک ہمارے ملک کو ہر میدان میں ترقی دلائی جائے گی۔ اس کے لئے چند لوگوں نے کہا کہ یہ اسکیم بہت فائدہ مند ہے تو دوسری طرف اور چند لوگوں نے آزادانہ اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کیا اس پر عمل آوری ہوگی؟

VI۔ غور و فکر کرنا۔ رد عمل کا اظہار (الف)

- 1- عوام اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیسے کر سکتے ہیں؟
- 2- عوام کو اس طرح کی سہولت کیسے فراہم ہوئی ہے؟
- 3- تقریر کی آزادی سے کیا مراد ہے؟
- 4- اظہار خیال کی آزادی کا آپ کس طرح استعمال کریں گے؟
- 5- دوسروں کی آزادی سلب کئے بغیر اپنے آزادی کے حق کا کس طرح استعمال کرنا چاہئے؟
- 6- کیا آپ یہ تصور کرتے ہیں کہ مدرسہ، کمرہ جماعت میں آپ کو بولنے کی آزادی ہے؟ کمرہ جماعت میں آزادانہ طور پر گفتگو کر رہے ہیں؟ اس کیلئے آپ کیا کریں گے؟
- 7- ہماری آزادی۔ تجربات۔ جیسے عنوان پر اپنے خیالات کا اظہار کریں؟

(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا۔

- 1- آپ کے گھر میں، آپ کے اطراف و اکناف میں کون کون زیادہ بات کرتے ہیں؟ کون مختصر بات کرتے ہیں؟ کیوں؟ مشاہدہ کر کے بتلائیے؟

جانیے

عصری حکومتوں کی جمہوری ساکھ کو جاننے کے لئے بقول لاسکی ”شہریوں کو دیئے گئے حقوق کی بنیاد پر اس ملک کا معیار خود خال کو ہم جان سکتے ہیں۔“ شہری سماج میں ”انسانی آزادی، مساوات، انسانی حقوق کیلئے عرصہ دراز تک جدوجہد کی گئی۔ مکمل انسانی تاریخ کے معنی انسانی آزادی کی جدوجہد بھی کہہ سکتے ہیں۔ مہذب سماج میں عوام آزادی کے طلب گار ہوتے ہیں۔ آزادی کی خواہش رکھنا انسانی فطرت کا تقاضہ ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں جذبہ آزادی پنہاں ہوتی ہے۔ ہم خیال، موافق دنیا میں آزادی کے تئیں جذبہ اتنا گہرا ہے کہ کروڑوں عوام اپنی مرضی اور مختاری کی آزادی کے تحفظ کی خاطر اپنی جانوں کو قربان کرنے کے کئی ایک واقعات ملتے ہیں۔ آزادی کا مطلب مزاحمتوں سے مبرا کے سمجھ میں آتے ہیں۔ فرد اپنی مرضی سے کچھ کرنے کے عمل کو مختاری، آزادی کہہ سکتے ہیں۔ کسی بھی طرح کی مزاحمت و اعتراضات کی حامل آزادی ذاتی سماج میں ہو سکتی ہے۔ بیسویں صدی میں انسان کی سماجی زندگی کا مزاج فروغ پانے کی وجہ سے شخص و وسعت، حکومت کی ترقی کیلئے آزادی ایک مضبوط بنیادیں ڈالتی ہے۔

سماج میں رہتے ہوئے آزادانہ طور پر زندگی گزارنے کی امید ہی آزادی ہے۔ ابتداء میں حکمرانوں سے تحفظ نہ ہونے سے آزادی کے حصول کو ہی مرضی و مختاری سمجھ رہے تھے۔ جمہوری تصورات کے فروغ پانے سے خود مختاری۔ مساوات، آزادی، انسانی حقوق کو مجموعی عوامی تائید حاصل ہوئی۔

شخصی کارکردگی میں فرد کو مکمل اختیار ہونا چاہئے۔ شخصی آزادی میں حکومت اس وقت تک مداخلت نہ کرے جب تک سماج کو نقصان کا اندیشہ ہو۔ شخص اپنے متعلق اپنے جسم اور دل پر اختیارات کا حامل ہوتا ہے۔ فرد کو اپنے خیالات کا اظہار کرنے کی مکمل آزادی ہونا چاہئے۔ شخصی آزادی کے تحفظ کی حد تک ہی حکومتی مداخلت کو شخصی آزادی کے علمبرداروں کی تائید حاصل ہے۔

مہذب سماج میں فرد کی آزادی کو ہی شہری آزادی کہتے ہیں۔ سماج میں فرد زندگی گزارنے کے بعد ہی آزادی کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ سماج میں انفرادی آزادی کے ذریعہ فرد اپنی شخصیت کو فروغ دیتا ہے۔ افراد کی شخصی آزادی پر تحدیدات عائد کرنے کیلئے کا دوسرے کوشش کرنے پر حکومت کی جانب سے ان کے تحفظ کیلئے خود مختار عدلیہ ہوتی ہے۔ اتنا ہی نہیں عدالتیں مساویانہ عمل آوری کے اصول کے مطابق شخصی آزادی، حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔ شہریوں کی آزادی کو مکمل سطح تک پہنچانے کیلئے چند اہم حقوق کی سفارش کرتی ہے۔ شخصی آزادی حالات کے تناظر میں تبدیلی کا شکار ہوتی ہے۔

(1) جسمانی آزادی: اس سے متعلق جان کا تحفظ، صحت، بے خوف و خطر ہو کر دینے کے حامل ہوتا۔

(2) ذہنی آزادی: اس کے ذریعہ ہر فرد اپنے خیالات، تصورات، اعتماد کو بے خوف ہو کر بیان کر سکتا ہے۔

3) عام آزادی:- اس کے ذریعہ کسی بھی طرح کی مخصوص معاہدے، مفروضہ تحدیدات کے بغیر عام کارکردگی کو انجام دے سکتے ہیں۔

آزادی کی حفاظت:

دستور کے حامل جمہوری ملکوں میں ہی شخصی آزادی کو بقاء حاصل ہے۔ محدود نقطہ نظر کے حامل عوام اپنی آزادی کو ذمہ داری سے استعمال کر کے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ مسلسل متعدی و ہوشیاری کے ساتھ آزادی کی حفاظت کرتے ہیں۔ آزادی کو حاصل کرنے کیلئے اس کے تحفظ کیلئے مختلف ممالک میں عوام کئی سماجی انقلاب کے ذریعہ فتوحات حاصل کئے ہیں۔ اس آزادی کی حفاظت کیلئے دستوری و سماجی طور پر تحفظ ضروری ہے۔

آزادی-----تعریف

- 1- لاسکی:- کسی بھی ماحول میں فرد کو اپنی جستجو کو مکمل کرنے کے پر مواقع حاصل ہوں وہی آزادی ہے۔
- 2- حابس Habs:- کسی بھی طرح کی تحدیدات اور اختلافات کا نہ ہونا ہی آزادی ہے حابس کے خیال میں آزاد زندگی گزارتے ہوئے اپنے تجربات دوسروں تک پہنچانے کی سماجی حالت کو ہی آزادی کہتے ہیں۔
- 3- بارکھارک Barkah:- ہر فرد اپنی قوت و صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر دستور ہی فراہم کردہ اصول و ضوابط کی روشنی میں اپنے حقوق کو استعمال کرنے کے تصور ہی کو ”آزادی“ کہتے ہیں۔
- 4- جی۔ ڈی۔ ایچ۔ کول: شخصیت پر کسی بھی طرح کی پابندی کے بغیر اپنے خیالات کا آزادانہ اظہار ہی آزادی ہے۔

حق آزادی:-

تمام بنیادی حقوق کی اساس آزادی ہے۔ لاسکی کا ماننا ہے کہ شہریوں کو حاصل آزادی، حقوق کے ذریعہ ظاہر ہوتی ہے۔ برطانیہ کا دستور شہریوں کو حقوق کے استعمال کا موقع دیا۔ امریکی دستور اس کی شناخت کر کے اس پر عمل آوری کرنے کی گنجائش فراہم کی ہندوستانی دستور فصل طور دستور کو قانونی شکل دے کر اس کو اعلیٰ و افضل بنا کر پاکستان کی بنیادی 10 سے 22 تک موجود دستوری دفعات کو شہریوں کی آزادی سے متعلق حقوق کے طور پر وضاحت کی گئی ہے۔

19- ویں دفعہ:- چھ قسم کی آزادی کی سفارش کی گئی۔ وہ ہیں۔

1- تقریر کی آزادی، اظہار خیال کرنا، رائے زنی کرنا

2- پرامن اجلاس منعقد کرنا

3- اداروں کو قائم کرنا

4- ملک کی سرحدوں میں گھومنے پھرنے کی آزادی

5- ملک میں کہیں بھی سکونت پذیر ہونے کی آزادی

6- پیشہ، تجارت، معیشت کی آزادی

اس لئے ان تحدیدات پر سفارش کردہ شخصی آزادی غیر محدود نہیں ہے۔ بلکہ حکومت ضرورت پڑنے پر ان پر کبھی بھی درج ذیل تحدیدات لاگو کر سکتی ہے۔

1- ملک کے اعلیٰ اختیارات، مجموعی تحفظ، دیگر ممالک سے دوستانہ تعلقات، امن، عزت کرنا، ایمانداری، توہین عدالت، بے عزتی، جرم کی ہمت افزائی، وغیرہ گوشوں پر ضرورت کے تحت پارلیمنٹ کے منظور شدہ قوانین کے ذریعہ آزادی پر تحدیدات عائد کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ”دہشت گردی کاروائیوں کی روک تھام“ (Prevention of Terrorist Activities) کا قانون۔ اسی طرح شورش زدہ علاقوں میں شہریوں کو آزادانہ طور پر گھومنے پھرنے پر پابندی لگا کر قومی سلامتی کے پیش نظر مرکزی حکومت شہریوں کی سیاحتی آزادی کو سلب کر سکتی ہے۔

2- مفاد عامہ: رویش تھاپر، برجیش بھوشن کے کیس میں سپریم کورٹ کے دئے گئے فیصلے کے مطابق ملک کے سالمیت اور صیانت جب تک خطرہ نہ ہو کسی بھی شہری کی اظہار خیال کی آزادی پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی۔

ظلم و تشدد، جرائم قتل، وحادثات کو بڑھاوا دینے والی سرگرمیاں، تقاریر پر حکومت مذکورہ فیصلہ کی وجہ سے کوئی بھی اقدام نہیں لے سکتی پر تشدد سرگرمیوں کو بڑھاوا دینے والے مظاہروں، جلسوں کو امن کی سلامتی کی پیش نظر حکومت امتناع عائد کر سکتی ہے۔ دفعہ 144 نافذ کر سکتی ہے۔

دفعہ 20:- اس کے مطابق

1- ایک شخص کسی ایک کام کی انجام دیں گے وقت اگر وہ کام قانون کی نظر میں جرم ثابت ہو تو اس وقت اس جرم کی سزا قانونی

طور پر جتنی ہوتی ہی دیں اس سے زیادہ سزا نہیں دی جاسکتی (1-20)

2- ”کسی بھی شخص کو ایک جرم کی سزا صرف ایک بار ہی دی جاسکتی ہے ایک سے زائد بار تفتیش کر کے سزا نہیں دے سکتے

“ (20-2)

3- ملزم ہو یا پھر کوئی شخص ہو اس کو وہی دینے یا دوبارہ بیان دینے کیلئے مجبور و پابند نہ کیا جائے۔ (20-3)

دفعہ 21:- فرد کی جان کی آزادی اور اس کی حفاظت کا حق

اس دفعہ کے تحت قانون کے دائرے میں منصفانہ طریقہ کار کے علاوہ کسی اور طریقہ سے یہ حق اس سے چھینا نہیں جاسکتا۔

شخصی آزادی کی اہمیت کو دستوری ماہرین جانتے ہیں۔ اس لئے امریکی دستور کی طرح ”Due process“ جیسے الفاظ کے

استعمال کرنے ہندوستانی دستور میں گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ مذکورہ سرگرمی میں عدالتی دستوری ماہرین کا مذکورہ سرگرمی میں عدالت کے اختیارات کی توسیع کرنا ہی نہیں برطانوی دستور کی طرح ہندوستان میں بھی پارلیمنٹ کو اعلیٰ اختیارات بہت زیادہ فراہم کرنے کا مقصد تھا۔ ایسا ہم سمجھ سکتے ہیں۔ اس لئے قانونی کارروائی (Legal process) جیسے الفاظ کا استعمال کیا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دستور میں جن قوانین کی نشاندہی کی گئی ہے ان ہی قوانین کی بنیاد پر عدالتیں تفتیش کریں۔ کیا ”قانون پر چلنا“ ہی قانونی رکاوٹ بن سکتا ہے؟ یہ عدالتیں جو قانون کی برتری کی محافظہ ہوتی ہیں اور جن کا فیصلہ آخری ہوتا ہے وہی یہ طے کر سکتی ہیں اس لئے مترادفات چاہے جتنے بھی ہوں بنیادی حقوق کے تحفظ کے معاملے میں ہندوستانی عدالتیں امریکی عدالتوں کے ہم پلہ ہیں۔

دفعہ 22 کے مطابق

1- ”حراست میں لئے گئے ہر شخص کو جتنی جلدی ممکن ہو سکے اس کو محروس رکھنے کی وجوہات کی وضاحت کریں کہ حراست میں لیئے گئے شخص کو اپنے وکیل سے ملاقات کرنے اور اس سے مشورہ کر کے اس کے خدمات کو اپنے حفاظت کے لئے استعمال کرنے کے اس کو اختیارات حاصل ہیں۔“ (22.1)

2- ”حراست میں لیئے گئے شخص کو اس کے محروسہ مقام سے قریبی منصف مجسٹریٹ کے پاس پہنچانے کیلئے درکار وقت 24 گھنٹے سے زائد نہ ہو۔ اس کے اندر ہی ملزم کو مجسٹریٹ کے پاس پہنچائیں۔ وہ مجسٹریٹ بغیر چارج شیٹ کے لمبے عرصے تک اس شخص کو نہ رکھے۔“ (22.2)

3- مذکورہ بالا تحدیدات (دفعات) غیر ملکیوں پر لاگو نہیں ہوتے (22.3)

4- کسی بھی شخص کو تین ماہ سے زیادہ قانون برائے انسدادِ محروسیت کے تحت حراست میں نہ رکھیں۔

حراست کو قبول نہ کریں۔ چند معاملات میں حراست کی مدت میں توسیع کی جاسکتی ہے۔ (22.4)

مذکورہ بالا دفعات کی روشنی میں قانون Preventive Detention کی تشکیل کے معاملے میں پارلیمنٹ کے اندر و باہر کئی ایک بحث و مباحثہ مقابلہ آرائی کا سامنا کرنے کے بعد پہلی مرتبہ 1950ء میں یہ نافذ العمل ہوا۔ اس کے بعد مذکورہ قانون 1971ء کی ترمیم کے ذریعہ داخلی صیانتی ایکٹ میں تبدیل ہو گیا۔ 77-1975ء کے درمیان ایمر جنسی نافذ ہونے پر تمام بنیادی حقوق سلب کر لیئے گئے۔ (MISA) میسا قانون کی جبری عمل آوری کے ذریعہ لاکھوں افراد کو حراست میں لیا گیا۔ اس ایمر جنسی کے حالات پیدا کرنے والوں کو روکنے کیلئے 1977ء میں اقتدار میں آنے والی جنتا پارٹی حکومت MISA قانون میں ترمیم کی ادھر بعد کے زمانے میں بھی کئی ایک قوانین میں شخصی آزادی پر امتناع لگانے کیلئے حسب ذیل ترمیم عمل میں لائی گئی۔ ان میں اہم یہ ہیں۔

1- قومی سلامتی ایکٹ 1981 National Security Act

2- لازمی خدمات کے نفاذ کا قانونی (1981) Essential Services maintenance

3- انسداد کالا بازاری قانون، لازمی اشیائے خورد و نوش کی فراہمی کا قانون

Prevention of Black marketing and maintenance of supplies commodities Act (1980)

4- بیرونی زرمبادلہ اور انسداد چور بازاری قانون

Foreign exchange and mevention of smuggless Activities Act (1975)

5- قانون برائے انسداد ہشت گردی سرگرمیاں

6- ٹاڈا کا نعم البدل پوٹا (Pota)

نام چاہے جو بھی ہو عوام کی بھلائی و خوشحالی اور جمہوریت کی حفاظت کیلئے حکومت کو چند سخت قوانین، انسدادی سرگرمیوں پر عمل آوری ضروری ہو جاتی ہے۔ سماج میں غیر سماجی عناصر کو قابو میں کرنے اور عوام کی قیمتی جانوں کی حفاظت کیلئے چند قوانین کا نفاذ ضروری ہے۔ جمہوریت کے لئے دنیا کے ممالک آپس میں مل بیٹھ کر بہت غور و خاص کے بعد سزائے موت دینے کے مواقع فراہم کیئے۔ آزادی کے لئے چند موقعوں پر اس قسم کے اقدامات ضروری ہیں۔

دستور کی رو سے ہمیں چند حقوق آزادی حاصل ہیں۔

1- تقریر کرنے اور اظہار خیال کی آزادی۔

2- اسلحہ کے بغیر اور پرامن اجلاس منعقد کرنے کی آزادی۔

3- انجمنیں و اجلاس منعقد کرنے کی آزادی۔

4- ملک کی سرحدوں میں گھومنے پھرنے نقل مقام کرنے کی آزادی۔

5- ملک میں کسی بھی مقام پر سکونت اختیار کرنے اور قیام کرنے کی آزادی۔

6- کوئی بھی پیشہ اختیار کرنے اور کوئی بھی تجارت کرنے کی آزادی۔

3- آپ کو درج ذیل میں کس قسم کی آزادی ہے شناخت کیجئے۔

1- بات کرنے کی آزادی۔

2- اپنی اظہار خیال اپنے تاثرات ظاہر کرنے کی آزادی

3- ہندوستان کی سرحدوں میں کہیں بھی جانے کا حق۔

4- آپ کو کسی بھی پیشہ کا انتخاب کرنے کی آزادی۔

5- آپ کو اپنی پسند کی تعلیم حاصل کرنے کی آزادی۔

6- آپ کو دوستوں سے ملنے کی آزادی۔

7- آپ کو ناپسندیدہ چیزوں کو رد کرنے کی آزادی۔

8- سوال کرنے کا حق

جانیے

ہندوستان کے دستور دفعہ 19 میں تقریری آزادی، اظہار خیال کی آزادی پر کس قسم کے بیانات دیئے گئے ہیں۔ جانیے۔

19(1)A، 19(2) کی دفعہ پر بیانات

تقریری آزادی اور اظہار خیال کی آزادی Freedom of Speech and expression

تقریری آزادی اور اظہار خیال کی آزادی سے مراد شہری اپنی گفتگو کے ذریعہ تحریر کے ذریعہ طباعت کے ذریعہ، تصویری نمائش یا دیگر طریقوں کے ذریعہ اپنے تاثرات کو آزادانہ طور پر اظہار کرتا ہے۔ ان حقوق کو دستور میں 19(1)A آرٹیکل فرد کو فراہم کرتا ہے۔ اس لئے یہ دستور (19(2) آرٹیکل کے ذریعہ ان حقوق پر چند تحدیدات، بندشیں، روک تھام نافذ کرتا ہے۔ ان حقوق کو جغرافیائی سرحدیں نہیں ہوتیں۔ ان حقوق کو نہ صرف ہندوستان میں بلکہ اس کے باہر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

تقریری آزادی اور اظہار خیال کی آزادی میں صحافت کی آزادی (Freedom of Press) بھی شامل ہے۔

ریش پوار VS اسٹیٹ آف مدارس (Air 1950 SC 124) کیس میں جسٹس پنچلی شاستری Justice Patanjali نے اس طرح کہا۔ تمام جمہوری اداروں کی تقریر اظہار خیال کی آزادی اور صحافت کی آزادی نے بنیاد ڈالی اس لئے کہ آزادانہ طور پر سیاسی مباحثے ہونے سے یا تعلیم عام نہ ہونے سے جمہوری اداروں کے وجود کو خطرہ لاحق ہوتا ہے؟ اس لئے عوامی تائید کی حامل حکومتی سرگرمیاں باقاعدہ طور پر جاری رہنے کیلئے یہ بہت ضروری ہے۔

افکار و نظریات کی آزادانہ نشر و اشاعت کی آزادی (Freedom of Propagation) اس کی تشہیر کیلئے بھی آزادی ضروری ہے۔ اشاعت کی آزادی کی طرح، تشہیر کی آزادی بھی ضروری ہے۔ حقیقت میں تشہیر (گشتی) کے بغیر اشاعت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اس آزادی میں فرد کے افکار و نظریات کی آزادانہ تشہیر ہی نہیں بلکہ دوسروں کے خیالات و نظریات کی تشہیر یا اشاعت کا حق بھی شامل ہے۔ یہ بھودتہ VS یونین آف انڈیا (Air 1982 SC 6) کے کیس میں سپریم کورٹ نے یہ وضاحت کی کہ اس آزادی میں مختلف خبروں کو جاننے کا حق، اور حکومتی نظم و نسق سے متعلق اطلاعات کو جاننے کا حق اس میں شامل ہے۔

اسٹیٹ VS حریتا (Air 11999 sc 1379) کے کیس میں بھی سپریم کورٹ نے یہ بیان دیا کہ ”جیل میں محروم زیر تفتیش قیدی سے کھلے طور پر صحافتی نمائندوں کو انٹرویو لینے کا حق نہیں ہے۔ LIC Have no unfettered rights“ بمعنی vs مانو بھائی۔ ڈی شاستری 1992 3 sec 637 کیس میں سپریم کورٹ نے تقریر اور اظہار خیال کی آزادی کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ

”عدالت تقریر، اظہارِ خال کی آزادی کے وسیع رجحان میں شہریوں کو زبانی، تحریری یا سمعی و بصری آلات کے ذریعہ جن میں اپنے خیالات و نظریات کی تشہیر کا حق بھی شامل ہے کیلئے کوشش کرنی چاہئے۔“

اس لئے کسی فرد کی پرنٹ میڈیا یا ریڈیو ٹی وی جیسے دیگر ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اپنے نظریات، افکار کی تشہیر کا حق تقریر، اظہارِ خیال، صحافت کی آزادی میں شامل ہے۔“

اس کے علاوہ عدلیہ کا یہ نوعیت کو جانے بغیر رکاوٹیں کھڑی کرنا، تقریر، اظہارِ خیال کی آزادی کے لیے خطرہ ہے۔ کیونکہ اس کی اجازت دینے سے نامناسب، استبدادی فیصلے صادر ہونے کا موجب ہوتے ہیں۔

سینما ایک طاقتور تشہیری ذریعہ ہے۔ جو ناظرین کے دلوں پر افکار و نظریات کی گہری چھاپ چھوڑتا ہے۔ اس کیلئے کوشش یہ ہونی چاہئے کہ اس کے ذریعہ دیا جانے والا پیغام یا واقعہ سماج کے کسی بھی طبقے پر منفی اثر ڈالنے والا نہ ہو۔

اس لئے اس کے بڑے نتائج سے سماج کو بچانے کیلئے فلموں پر پابندی عائد کرنے کے ذریعہ سنسر کرنے کا موجب قرار دیا گیا۔

کسی فلم کو سنسر کئے بغیر اسے چلانے کی اجازت دیں تو وہ سماج پر برے اثرات ڈالتی ہے۔ اس لئے دستور کی دفعہ 19(2) میں سماجی بھلائی کی تحفظ، سنسر شپ ایکٹ کو نافذ کیا گیا۔ سنسر شپ ایکٹ معقولیت پسندی پر مبنی ہے۔ دستور میں 19 دفعہ جانچ کے قابل ہونا چاہئے۔ اور ہے بھی۔

قول:- تمام قوت آپ ہی میں ہے۔ اس پر بھروسہ کیجیے۔ کمزور ہیں کا تصور مت کیجئے۔ اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کو ظاہر کیجئے۔

سوامی وویکانند

مقصد کے حصول میں طمانیت

- I- اہم قدر : اطمینان بخش زندگی گزارنا
- II- ذیلی قدر : متوقع مقاصد کے حاصل کرنے کے بعد طمانیت اور مسرت حاصل کرنا
- III- مقاصد، مطلوبہ نتائج : متوقع مقاصد کے حصول کے بعد طمانیت و مسرت کو حاصل کرتا ہے۔
- IV- تمہید : کسی بھی کام کی تکمیل کیلئے چند مسائل کا سامنا کرنا ضروری ہوتا ہے۔
- ان مسائل، رکاوٹوں پر قابو پانے پر بے حساب مسرت و اطمینان حاصل ہوتا ہے۔
- مقصد کے حصول میں درپیش مسائل سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ یہ حاصل کر سکتا ہوں۔
- جیسا جوش و جذبہ، اعتماد و جستجو ہونی چاہئے۔ تب ہی یہ اطمینان اور مسرت حاصل ہوتی ہے۔
- V- واقعہ : میں اپنی تقریر کے اختتام پر یہ بات بھی نہیں بھولے بغیر نہ رہ سکا۔ دیکھئے۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس ماہ کے اواخر تک اگنی کا کامیاب تجربہ کر کے ہی لوٹیں گے۔

دوسری کوشش کے دوران جزوی ناکامی کے تفصیلی تجزیے نے انضباطی نظام کی تحدید کی طرف ہماری رہنمائی کی۔ یہ کام DRDO- ISRO کے سپرد کیا گیا۔ ISRO کے Liquid Propellant System complex (LPSC) میں ٹیم نے پہلا مرحلہ انضباطی نظام درست کیا۔ اور بے پناہ ارتکاز اور قوت ارادی کے ساتھ اس کام کو کارڈ وقت میں انجام دیا۔ یہ کچھ کم حیرت انگیز نہیں تھا کہ کس طرح سیکٹروں سائنس دانوں اور دیگر عملے نے مسلسل کام کیا اور نظام کو ٹھیک دس دن میں آزمائش کے لیے تیار کر دیا۔ طیارے نے اصلاح شدہ نظام کے ساتھ تری وینڈر م سے اڑان بھری۔ اور ITR کے بالکل قریب گیا رہوئیں دن اترے۔ لیکن اس بار نمبر تھا مخالف سمت موسمی حالات کا جو ہمارے راستے میں حائل تھے۔ گردابی طوفان (سائیکلون) کا خطرہ منڈلا رہا تھا۔ کام کے تمام مراکز کو سیارچوی ابلاغ اور HF کڑیوں کے ذریعے جوڑ دیا گیا تھا۔ موسمیاتی ڈیٹا ہر دس منٹ کے وقفے سے گردش کر رہا تھا۔

بالآخر پرواز کے لیے 22 مئی/ 1989 مقرر کی گئی۔ اس سے پہلی رات کو میں، ڈاکٹر ارونا چلم، اور جنرل کے این سنگھ وزیر دفاع کے سی پنت کے ساتھ ٹہل رہے تھے جو ITR صرف اڑان کا مشاہدہ کرنے کے لیے آئے تھے۔ یہ رات پورے چاند کی تھی اور مدوجزر شباب پر تھا۔ موجیں جوش میں تھیں اور چنگھاڑ رہی تھیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ قادر مطلق کی عظمت اور قدرت کی حمد و ثناء کر رہی تھیں۔ کیا ہم کل اگنی کی اڑان میں کامیاب ہوں گے؟ ہم سب کے دماغ میں یہی ایک سوال گھوم رہا تھا۔ لیکن ہم میں سے کوئی بھی اس کے لیے

آبادہ نہیں تھا کہ حسین چاندنی رات کے اس سحر کو توڑ دے۔ ایک طویل خاموشی کو توڑتے ہوئے وزیر دفاع نے حتمی طور پر مجھ سے سوال کیا ”کلامِ اگنی کی کامیابی کا جشن منانے کے لیے تم مجھ سے کیا چاہو گے؟ یہ ایک بہت آسان سوال تھا جس کو فوری طور پر میں نہیں سمجھ سکا۔ میں کیا چاہتا تھا؟ وہ کیا تھا جو مجھے نہیں مل سکا تھا؟ مجھے اور زیادہ خوش کیا چیز کر سکتی تھی؟ اور تبھی مجھے اس کا جواب مل گیا۔ میں نے کہا ”ہمیں RCI میں لگانے کے لیے ایک لاکھ قلموں کی ضرورت ہے“ ان کا چہرہ دوستی کے نور سے دمک اٹھا۔ وزیر دفاع کے سی پنت نے ایک ذومعنی بات کہی ”تم دھرتی ماں سے اگنی کے لیے برکتوں کا سودا کرنا چاہتے ہو“ انہوں نے پیشن گوئی کی ”کل ہم ضرور کامیاب ہوں گے“۔

دوسرے دن ۷ بج کر ۱۰ منٹ پر اگنی نے اڑان بھری۔ یہ ایک کامل پرواز تھی۔ میزائل نے خط مستدیر کی درسی کتاب پر عمل کیا۔ پرواز کے تمام پیرامیٹر مل کیے۔ یہ بالکل ایسا ہی تھا کہ جیسے کوئی شخص بھیانک خواب کے بعد ایک حسین صبح کو جاگے۔ متعدد کام کے مراکز میں پانچ سال کی مسلسل تگ و دو کے بعد ہم بالآخر لانچ پیڈ تک پہنچ ہی گئے تھے۔ گزشتہ پانچ ہفتوں سے ہم ابتلا و آزمائش کی مزاحمتوں کے درمیان جی رہے تھے۔ ہم پر ہر طرف سے دباؤ پڑ رہا تھا کہ اس سب کو ختم کر دیں مگر اس کے باوجود ہم نے اسے جاری رکھا۔ آخر کار ہم کامیاب ہوئے۔ یہ میری زندگی کا ایک اہم ترین لمحہ تھا۔ یہ محض 600 سکینڈ کی ایک شاندار پرواز تھی۔ جس نے ایک آن میں ہماری ساری تھکن دور کر دی۔ برسوں کی محنت کا یہ ایک شاندار نقطہ عروج تھا میں نے اس رات اپنی ڈائری میں لکھا

اگنی کو دیکھو نہ تم اس نظر سے

بلندی کی جانب رواں

خجست مٹاتا

تمہاری طاقت کا اظہار کرتا

یہ اک شے ہے فقط

یہ سب ہے غلط!

قلب ہندی میں ہر دم دکھتی

یہ ایک آتش جاوداں ہے

خدارا نہ سمجھو اسے

اک میزائل فقط

نازش ملک و ملت ہے یہ

باعث فخر و عزت ہے یہ

یہ فخر ہندوستان ہے

جو باقی رہے گا سدا

انسان اپنے متوقع مقاصد کی تکمیل پر ہی خوشی اور بے انتہا مسرت حاصل کرتا ہے۔ وہ مقصد دوسروں کے کام آئے تو پھر وہ خوشی بیان کے باہر ہوتی ہے۔

VI:- الف، غور کیجئے۔ رد عمل ظاہر کیجئے۔

- 1- با مقصد ہونے سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں آپ کیا جانتا ہیں؟
 - 2- مقصد کے حصول کیلئے عبدالکلام نے کیا کیا؟
 - 3- آپ کو اپنے مقصد میں کامیابی پر کیسا محسوس کرتے ہیں؟ اپنے تاثرات ظاہر کیجئے۔؟
 - 4- آپ کے مقصد کیا ہیں؟ اس کے حصول کیلئے آپ کیا کریں گے؟
 - 5- بچو کیا آپ نے اپنے کسی مقصد میں کامیابی حاصل کی ہے؟ حصول کے دوران اپنے تجربات بیان کرو۔؟
- (ب) عمل کرنا، تجربات بیان کرنا۔

- 1- جو اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے ہیں ان سے ملاقات کیجئے۔ ان کے تجربات کو درج کیجئے اس دوران آپ کے اپنے تجربات بیان کیجئے۔

جانئے۔

پولا پچیا

وہ ایک سرکاری ملازم نہیں تھا، خود مختار ادارہ کارکن تھا وہ ایک معمولی قبائلی تھا۔ اس کا نام پولا پچیا تھا۔ آندھرا پردیش میں بیس لاکھ جا رو بسازوں میں وہ ایک تھا۔ جھاڑو بنانا ہی اس کے گزارہ کا اہم سہارا تھا۔

جھاڑو بنانے کیلئے ضروری کاڑیوں کو حاصل کرنا، پھر ان کاڑیوں کو تراشنا، اس کو بارک کاٹنا، اور اس کے کانٹے نکلنے تک لکڑی کے تختے پر رگڑنا۔ پھر اس کے بعد جھاڑو بنانے کے کام میں منہمک ہو جانا۔ یہ اس کی دن بھر کی کارروائی تھی یہ سب بڑی محنت و مشقت کا کام ہے۔ دن بھر کی مشقت کے بعد جس جھاڑو سے زیادہ تیار نہیں کر سکتا۔ تھکان، بدن درد کی تکلیف الگ۔ یہ تمام چیزیں پچیا کو سونپنے پر مجبور کیں۔ اس نے وہ ایک چھوٹی مشین بنا کر ان خانہ بدوش خاندان میں متعارف کروایا۔ نتیجہ کے طور پر اس نے ایک بڑے انقلاب کی راہ ہموار کی۔

جھاڑوؤں کی تیاری کو آسان بنانے کیلئے پچھا پہلے مرحلے میں ایک لکڑی کا تختہ کا آلہ تیار کیا۔ دوسرے میں ایک کسان کے پاس سے بجلی کی موٹر لاکر اس کو گرائیڈنگ مشین Grinding Machine میں تبدیل کر دیا۔ اس میں کامیاب ہونے کے بعد وزنی لکڑی کے تختے کو نکال اس کی جگہ پلاسٹک پلیٹ کو جوڑ دیا۔ نتیجتاً وہ مشین اور بھی سہولت بخش ہو گئی اور کیا؟ گھر گھر گھوم کر اس کے ہم پیشہ افراد کو اپنی تخلیق سے متعارف کروایا۔ اس طرح ایک آدمی کی جدوجہد لگن نے جھاڑو کی تیاری میں ایک خاص تخلیق کی کوشش کی۔

یہ آج کل کی خصوصیت نہیں بلکہ تقریباً 15 سال پہلے کی بات ہے۔ مگر اس خصوصیت کو کسی اخبار نے شائع نہیں کیا۔ اور ٹیلی ویژن چینل نے بھی نشر نہیں کیا۔ ہمارے عوامی میڈیا کے کارناموں پر حریف ہے۔

اس لئے پچھا ان نشر و اشاعتی ذریعوں سے بے پرواہ و لاتعلق ہو کر زندگی گزار رہا ہے۔ وہ سادگی اور آرام و صبر سے اپنا کام کر رہا ہے۔ اپنی ذات کے لوگوں کو فائدہ پہنچانے میں ہی اس کو تشفی حاصل ہوتی ہے۔ اس کو اس بات سے بھی کوئی مطلب نہیں کہ دنیا کو اس کے بارے میں جاننا یا بتلانا ضروری ہے۔

آپ کی کامیابی کے راز

طالب علم کے نام _____ زندگی کا مقصد _____ مقصد حاصل کرنے کی مدت _____ سال
بدلاؤ کاراز _____ سرگرمی کی انجام دہی _____

دل آپ بڑے خواب دیکھیں۔ ایسے مقصد کو قائم کیجئے۔ جس سے دنیا آپ کو جاننے لگے! دل کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھیں۔ ↓

افکار آپ اپنے انداز میں پیش بینی سے، تخلیقی طور پر مثبت سوچ رکھیے۔ غیر ضروری سوچ ”مجھ سے نہیں ہوگا“ مجھے نہیں آتا، نہیں وغیرہ جیسی منفی سوچ نہ رکھیں۔ ↓

خواہشات کسی بھی طرح مقصد حاصل کرنے کی شدید خواہش ہونی چاہئے۔ ہر ایک میں آگے، آگے رہنا مثالی ہونا ماہر ہونانی چیزوں کو سیکھنے کی جستجو کی ہی خواہش ہونا چاہئے۔ ↓

گفتگو درست، تلفظ کے ساتھ ’آسان‘ بر موقع، پیارے، سچ بات، دل کش انداز میں بنتے ہوئے بات کرنا چاہئے۔ ↓

عمل سے (کام سے) صحت، صفائی، علم، بڑوں کو خوش کر کے، مقصد کی برآوری کے کام کرنا، پڑھنا، لکھنا، مباحثہ کرنا

عادی ہونا جس دن کا کام اسی دن مکمل کرنا، دوسرے دن کے کام کا منصوبہ بنانا، فہرست تیار کرنا، جو کام بھی کرنا ہو دلچسپی و لگن تجزیاتی طور پر ہنسی خوشی سے کرنے کی عادت ڈالیں۔ سماجی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے آگے بڑھ کر قائد بنیں۔

خصلتیں ہر چیز کیلئے کیا؟ کہاں؟ کیوں؟ کب؟ کیسے جیسے سوال، مشاہداتی خصلتوں کو فروغ دیں۔ کام کو مکمل کریں، خصلتیں کی شناخت کر کے دست برداری اختیار کریں۔

صفات (کردار) سچائی، مذہب، ہمت، محبت، نظم و ضبط، توجہ پائیداری (استقلال) جیسی صفات کو فروغ دینا چاہئے۔

آخری منزل مقصود فرد خود میں درج بالا تبدیلیاں لاکر اپنے مقصد کو حاصل کر کے اپنی منزل مقصود کو پہنچ سکتی ہے۔

سوچ۔ عمل کرنا:

ہم کسی مقصد کے متعین کرنے کے بعد ہماری سوچ و فکر اسی مقصد کی تکمیل کی سمت ہونا چاہئے۔ مقصد کے حصول میں کتنی ہی رکاوٹیں آئیں۔ مقصد کی تکمیل کے لئے قدم پیچھے نہ ہٹا کر، آگے بڑھتے ہوئے مقصد کو حاصل کریں۔ ہماری سوچ خود کی ذاتی سوچ ہونی چاہئے۔ مثبت انداز فکر کو اچھی باتوں کی شکل میں ظاہر کریں۔ بات (زبان) ہتھیاروں سے بھی زیادہ طاقتور ہوتی ہے۔ جو بھی بات کریں وہ کارآمد ہونی چاہئے۔

مثلاً: ہر میدان میں قابل رہنے والا کسی میدان میں صفر بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے اپنے مقام پر (میدان میں) وہی قابل ہے مثلاً: جو اپنے میدان کے ہیرو ہے۔ سچن ٹنڈو لکرا اُس اوقات بہتر کھیل کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔ تاکہ منگلیشکر کو کچی پوڈی رقص نہیں آتا۔ مدرٹریسا کو پینٹنگ نہیں آسکتی۔ لیکن وہ لوگ اپنے میدان کے ہیرو ہیں۔

مثلاً: طالب علم کا مقصد اگر ڈاکٹر بننا ہو تو۔۔۔۔۔

دل میں سوچ لینا دنیا میں شناخت کئے جانے والا پیشہ ڈاکٹر بننا کے مقصد کا انتخاب کر لیا ہوں۔ ڈاکٹر بننے کیلئے مجھے کیا

کرنا چاہئے۔ کیا پڑھنا چاہئے۔ سوچ رہا ہوں۔ میرے قرب و جوار میں آنے والی بیماریوں ان کی علامتوں

کے بارے میں ڈاکٹر بننے کے بعد یہ بیماریوں کس طرح وجود میں آتی ہیں؟ غریبوں کو جو بیماریوں میں مبتلا

ہیں ان کی خدمت کیسے کی جائے وغیرہ کے بارے میں فکر کروں گا۔

خواہشات میرے مقصد سے متعلق پسندیدگی کی خواہش کرتا ہوں۔

ڈاکٹر بننے کے لئے کیا پڑھنا چاہئے، کیا کرنا چاہئے، جیسے موضوعات کے بارے میں ڈاکٹر سے پتھر یا پھر کسی معلومات والے سے پوچھ کر معلومات حاصل کر لوں گا۔ میں قابل ڈاکٹر بن کر غریبوں کا مفت علاج کروں گا۔ کہہ کر تمام دوستوں، اساتذہ، ماں، باپ اور رشتہ داروں کو بتلاتا رہوں۔ میرے علاقے کی بیماریوں، ان کی علامتوں کے بارے میں اس سے متعلق ادویات کے بارے میں ڈاکٹر کو پوچھ کر معلوم کروں گا۔	بات چیت ↓
میڈیکل انسٹرنس شٹ سے متعلق مواد کو پڑھ کر اچھی تیاری کروں گا۔ میڈیسن کورس کیلئے ضروری کتابوں کا مطالعہ کروں گا۔ ہمارے علاقے میں موجود دواخانے، ڈاکٹرس سے ملاقات کروں گا۔ قابل فخر ڈاکٹرس سے متعلق اخبار کے تراشے حاصل کر کے الیم تیار کروں گا۔ میرے پڑوس میں کوئی بیمار ہو تو انہیں دواخانہ لے کر جاؤں گا۔	کام ↓
مذکورہ بالا کئے گئے کام کو مکرر انجام دے کر اس کی عادت بنالوں گا، اچھے ڈاکٹر کو میں ہونے والی اچھی عادتوں کو۔ صاف صفائی، محبت سے مسکراہٹ سے بات کرنا، خدمات کو اپناؤں گا۔	عادات ↓
غصہ، بے زارگی، بے صبری، کاہلی، جیسی بری خصلتوں کو تبدیل کر لوں گا۔	خصلتیں ↓
طبی تعلیم کامیابی سے تکمیل کرنے کیلئے ضروری توجہ، نظم و ضبط، ہمت، باب، منصوبہ بند طریقے سے محنت کرنا، پائیداری (استقلال) سچائی وغیرہ اچھی صفات کو فروغ دوں گا۔ بڑے صفات سے نجات حاصل کروں گا۔	صفات ↓
مذکورہ بالا کی تکمیل کے بعد طبی کالج میں نشست حاصل کر کے، کورس مکمل ہونے کے بعد قابل ڈاکٹر بننے کے میرے مقصد حاصل کر کے غریبوں کا مفت علاج کروں گا۔	منزل مقصود

قول: تکلیفوں کا سامنا کرنے میں عظیم لوگوں کی عام آدمی سربراہی نہیں کر سکتا۔ پتھر سے ٹکراؤ کو ہیرا برداشت کر سکتا ہے مگر مٹی کا ڈھیلا نہیں۔

قوت برداشت

3

- I- اہم قدر : کردار سازی
 II- ذیلی قدر : برداشت کی خوبی کو اپنائیں
 III- مقاصد، مطلوبہ نتائج: ☆ برداشت کی صفت اپناتے ہیں۔
 ☆ صبر سے پیش آتے ہیں۔

IV- تمہید : ”برداشت“ ایک اہم خوبی ہے، صبر کا مادہ جس میں ہو اس میں اور کئی اچھے صفات بھی موجود ہوتے ہیں۔ ایک فرد کی زندگی میں کئی نشیب و فراز آتے ہیں۔ یہی نشیب و فراز ہمارے امتحان کی گھڑی ہے۔ ان کا سامنا صبر کے ساتھ کرنا چاہئے۔ برداشت کے حامل افراد ہی کچھ بھی سیکھ سکتے ہیں۔ کوئی بھی فرد ایک ہی وقت میں جو چاہا وہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اس کے حاصل ہونے تک صبر سے کوشش کرنی چاہئے۔

بے صبری (جلد بازی) کا مظاہرہ کرنے سے تو، تو میں، میں (بحث مباحثہ) بڑھ کر جھگڑے، فساد کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ حادثات کا موجب ہوتی ہے۔ امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔ مار پیٹ اور مچھڑنا (علیحدگی) وغیرہ ہوتی ہے۔ اس سے انسانیت کے رشتوں کی پامالی ہوتی ہے۔ ”برداشت“ کی صفت کو پیدا کرنے کی اہمیت کو بتلانا ہی اس سبق کا مقصد ہے۔

-V

واقعہ-I

وہ ایک جلسہ گاہ ہے۔ انسانی اقدار پر بحث کا پروگرام منعقد ہوا ہے۔ بحث میں کئی لوگ حصہ لیتے ہیں۔ امین۔ خود کو نہ روکتے ہوئے اپنی لیاقت کے مطابق الٹا سیدھا بولنا شروع کیا۔ اس کی اس گفتگو سے دوسرے ممبران کو تکلیف ہو رہی تھی۔ اس بحث میں غیر ضروری بے موقع بول رہا تھا۔ ممبران جو بے زار ہو چکے تھے امین کو روک دیئے۔

اس سے اس میں بے صبری کا جذبہ پیدا ہوا۔ وہ تشدد پر آمادہ ہوا۔ بات بات میں بات بڑھ گئی۔ امتیاز کھو بیٹھا۔ درازی کرتے ہوئے مرضی کے مطابق بولتا گیا اور خفگی سے جلسہ گاہ سے باہر آ گیا۔

گھر آ گیا۔ اس کی ناراضگی ابھی تک دور نہیں ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر تک آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔ اجلاس میں جو کچھ ہوا اس کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس کا سلوک خود اس کو پسند نہیں آیا۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ میری باری آنے تک انتظار کر کے، تھوڑا سا صبر کر لیتا تو ٹھیک رہتا تھا نا! ایسا خیال کیا۔

واقعہ-2

راجو وقت پر نیند سے بیدار ہوا وقت دیکھنے پر 9 بج چکے تھے۔ ارے۔ 9 بج چکے ہیں۔ 10 بج سے مارنگ شولم شروع ہوتی ہے۔ نا۔! سوچ کر جلدی جلدی تیار ہو گیا۔ موٹر سیکل لے کر جلد بازی میں نکل گیا۔ مین روڈ پر آ گیا۔ سٹرک پر ٹریفک بہت زیادہ تھا۔ یہ راجو کی بے چینی میں اضافہ کر رہا تھا۔ اس کا دل پوری طرح سے فلم کی طرف تھا۔ سوار یوں کے ہجوم کی پرواہ کئے بغیر آڑھا ٹیڑھا چلا جا رہا تھا۔ سگنل کی لائٹ کی بھی پرواہ نہیں کی۔ سوار یوں کے درمیان سے چلا جا رہا تھا۔ مخالف سامنے لال بتی کے جلنے کا بھی ہوش نہ تھا۔ تیز رفتاری سے آگے بڑھ گیا۔ سامنے سے آنے والی بس سے ٹکرا گیا۔ اچھل کر دوڑ جا گیا۔

واقعہ-3

گوتم بدھ روز کی طرح بھیک مانگنے ایک در پر گیا۔ وہ گھر والی اس کو عام سا فقیر جان کر گالی گلوچ کرینے لگی۔ گوتم بدھ سب کچھ برداشت کرتے ہوئے خاموش کھڑا رہا۔ اس عورت کو یہ بات اور بھی گراں گذری۔ اس نے طیش میں آ کر کہا۔

اس طرح پتھر کی طرح کھڑا نہ ہوتے تو جواب ہی دے دیتے!

اماں۔۔۔! اگر آپ مجھے کھانا دیتیں اور میں اسے مسٹر دکر دیتا تو وہ کھانا کس کو جاتا بتلائیے؟ گوتم بدھ نے کہا۔ مجھے ہی ملتا۔ اس عورت نے حیران کن لہجے میں کہا۔

تو پھر آپ کی گالیوں کو بھی میں مسٹر دکر کرتا ہوں وہ کس کو ملتی ہیں؟ گوتم بدھ نے کہا۔

وہ عورت ایک لمحہ کے لئے ہکا بکا رہ گئی اور ان باتوں کا مطلب جان کر شرمندہ ہوئی۔ اس کے بعد گھر کے اندر گئی اور گرم گرم کھانا لاکر دی۔

VI۔ (الف) سوچنا۔ ردعمل ظاہر کرنا

1- کیا آپ پہلے واقعہ کو سمجھے ہیں؟ کیا ہوا؟ ایسا کیوں ہوا؟

2- دوسرے واقعہ میں کیا ہوا؟

3- تیسرے واقعہ کے ذریعے آپ نے کیا سیکھا؟

- 4- ”صبر“ برداشت کی عادت کیوں ڈالنی چاہئے؟
- 5- برداشت کرنے سے کیا ہوتا ہے؟ برداشت کھودینے سے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں؟
- 6- کون کونسے مواقع پر صبر کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے؟ ایسا کیوں کرنا چاہئے؟
- 7- بے صبری کا مظاہرہ کرنے سے کیا ہوتا ہے؟
- 8- خاندان میں ”برداشت“ کب ضروری ہے؟

(ب)۔ عمل کرنا۔ تجربات کا اظہار کرنا۔

- 1- ہفتہ بھر کے لئے اپنے برتاؤ کا مشاہدہ کیجئے۔ آپ کو کن کن موقعوں پر صبر کو ملحوظ رکھنا پڑا؟ جب آپ نے کیا کیا۔ اس طرح کرنے سے آپ کو کیا حاصل ہوا بتلایئے۔ اس طرح نہ کرنے سے کیا ہوتا تھا۔ بتلایئے؟
- 2- آپ کے پڑوسیوں، دوست احباب کے ذریعہ صبر کھودینے کے موقعوں کو بتلایئے۔ اس کے نتائج کیا نکلے؟

اس طرح کیجئے

آپ ہوتے تو کیا کرتے؟	برداشت کو ملحوظ رکھنے کے مواقع
	<ol style="list-style-type: none"> 1- بحث و مباحثہ کے دوران اپنا خیال ظاہر کرتے وقت 2- کھیل کھیلتے وقت 3- بس چڑھتے وقت 4- ٹل کے پاس پانی پیتے وقت 5- ماں کے ذریعہ کھانے کی اشیاء کی تقسیم کے وقت

جانئے

برداشت بہت ضروری ہے!

برداشت ایک بہت بڑی صفت ہے۔ اگر ہم برداشت کی صفت کو اپناتے ہیں تو ہماری زندگی خوشحال ہوگی۔ برداشت کی عادت اگر ہم ڈال لیں تو ہماری زندگی بہت آرام دہ و پرسکون گذرے گی۔ ہم دوسروں کے ساتھ صبر کے ساتھ رہیں تو ہماری زندگی تیشنی بخش ہوگی۔ اس دنیا میں تمام لوگ یکساں نہیں ہوتے ہیں۔ کئی لوگ مختلف قسم کا ذہن رکھتے ہیں۔ ان تمام کو ہمیں سمجھنا چاہئے۔ ہم کتنا ہی بے زار کیوں نہ ہو مگر اپنی بے زارگی کا اظہار دوسروں پر نہ کریں۔ ہمیں ہمیشہ دوسروں کے ساتھ صبر کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔ ہم پر کتنا ہی کام کا دباؤ کیوں نہ رہے۔ سماعت بھی نہ کرنا ہو تب بھی اپنی بے صبری (برداشت) کا اظہار نہ کرتے ہوئے سنے کا مظاہرہ کریں۔ یہ اداکاری ہی سہی، صبر ہی سہی، چاہے وہ کچھ بھی ہو، دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے یہ خیال رکھنا چاہئے۔ ان کو ہم تکلیف نہ دیں۔ ہم کتنا ہی تھک گئے ہوں اس کا اظہار دوسروں پر نہ کریں۔ اپنے سامنے کے لوگ ہم سے بات کرنے کیلئے آئے ہیں، ہمیں فون کئے ہوں تو وہ ہم سے کچھ نہ کچھ محبت لگاؤ رکھتے ہیں تبھی وہ آتے ہیں، فون کرتے ہیں، ہم پر اگر وہ کچھ خیال نہ رکھتے ہیں تو وہ ہماری قریب ہی نہیں آتے۔ ان کی اس محبت کو ہمیں دور نہیں کرنا چاہئے۔ دور کرنے سے ہم سے تمام لوگ دور ہو جاتے ہیں۔ ہمیں بھول بھی جاتے ہیں۔ فرصت کے لمحات میں ہمارے ہی خواہ دوست اور کوئی بھی ہمیں بات کرنے کیلئے دستیاب نہیں ہونگے۔ اس وقت ہمیں کچھ سمجھ نہیں آتا۔ اور ہم پاگل پن کا شکار ہوتے ہیں۔ اس لئے ہم انتہائی مصروف رہنے پر بھی ہم سے ملنے آنے والوں سے محبت لگاؤ کا برتاؤ کرنا چاہئے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ہماری باتوں سے یہ ظاہر ہونا چاہئے کہ جو لوگ آئے ہیں وہ کب جائیں گے؟ ہماری آنکھوں میں بے زارگی کی جھلک نظر نہیں آنی چاہئے۔

علم کو فروغ دینے والا صبر، کیا آپ کی شناخت بن سکتی ہے؟

صبر (برداشت) علم کو فروغ دینے میں معاون ہے کہنے میں کوئی مذاائقہ نہیں۔ اسی صبر کو خاص موقع پر رکھو دیں تو بھاری قیمت چکانی پڑ سکتی ہے۔ اس لئے ہمارے بزرگ صبر سے کام لینے کی تلقین کرتے ہیں۔ اس لئے اس صبر کو خود میں کس طرح فروغ دیں۔ اگر آپ میں صبر کی کمی پائی جائے تو اس کو کس طرح دور کیا جائے۔ اس کیلئے چند سیدھے سادھے اصول اپنائیں تو کافی ہے۔ خاص طور پر خواتین اس معاملے میں احتیاط برتیں زیادہ بہتر ہیں۔

اس کے باوجود بھی اگر صبر کو کھونے کا احساس ہو تو جسمانی ورزش کے ذریعہ مسئلہ کو قابو کرنے کی کوشش کریں۔

کسی معاملے میں صبر کے کھونے کا احساس ہو تو خود اپنے آپ سے مزاحمت کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

اہمیت اس بات کی ہے کہ خاص موقعوں پر اگر آپ کو یہ احساس ہو جائے کہ آپ کی بات کو اہمیت نہ دی گئی ہے تو اس بات کو آپ دل سے نہ لگائیں تو بہتر ہے۔ کنول کے پتے پر پانی کے قطرے کی طرح جذباتی ہونے سے دور رہیں تو بہتر ہے۔ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے لگے یا پھر آپ کا منہ آپ کے کنٹرول سے باہر ہونے لگے تو آپ جلدی سے دس سے ایک تک کی گنتی کریں تو فائدہ مند ہوگا۔

صبر ایک طرح سے مزاحمتی قوت ہے۔ یہ ایک ذہنی پختگی کی حالت ہے۔ خاص طور سے تکلیف کے موقعوں پر کسی موضوع پر جذباتی ہونے، ٹال دینے کے ذریعہ بے فکر ہو کر غصہ پر قابو پانا ہی صبر ہے۔ یا پھر تکلیف پر قابو پا کر ضبط سے رہنا بھی صبر کی تعریف میں آتا ہے۔ انسان کے ذہنی جذبات کو قابو میں کرنے کیلئے صبر سے کام لیں۔ کبھی کبھی یہ جذبات آدمی کی اپنی شخصیت کی افسردگی کی علامتوں پر قابو پانے میں بھی مددگار ہوتے ہیں۔

استقلال، صبر کے مابین باہمی تعلق ہے۔ فرد میں صرف استقلال ہی کافی نہیں صبر نہ ہو تو بے کار ہے۔ بچوں کو استقلال سے پڑھنے کی تلقین کرتے ہیں۔ وہ کام پائیداری سے کرنا چاہئے کہتے ہیں۔ مگر ان میں صبر کا مادہ پہلے سے موجود ہو تو وہ استقلال سے محنت کر کے فتح حاصل کرتا ہے۔ صبر، استقلال جیسی اچھی صفات کے بغیر جمہوری زندگی میں فتح کا حصول نہ ممکن ہے۔ یہ صفات قوت ارادہ کو پختگی بخشنے سے ہر مرحلے میں تکلیف ہوتے پران کا پائیداری سے مقابلہ کریں۔ ان اچھی صفات کی وجہ سے ہی مہاتما گاندھی نے اپنی کوششوں میں کامیابی حاصل کی۔ ان کی ناکامی پر وہ ہمت حاصل کئے ہیں۔ ان اچھے صفات کو دھیرے دھیرے اپنانا چاہئے۔

صبر والا انسان ہمیشہ پرسکون، ذہنی توازن کا حامل ہوتا ہے۔ ناکامیوں اور تکالیف سے گھبراتا نہیں ہے۔ ذاتی قوت کو بروئے کار لا کر راستے دریافت کرتا ہے۔ ذہنی یکسوئی کیلئے بے انتہا صبر کا حامل ہونا چاہئے۔ چند لوگ تکالیف کا سامنا کرنے پر گھرا کر کوششوں سے ہار مانتے ہیں۔ یہ بہت غلط ہے۔ کتنی ہی رکاوٹوں کا سامنا ہو حاصل کرنے والے اپنے حصول مقصد کو نہیں چھوڑنا چاہئے۔ چیونٹیاں چھوٹے چھوٹے ٹکڑے، شکر کے دانے، چاول کے دانے حاصل کر کے اپنے بلوں میں لے جاتے ہیں۔ ان میں کتنی ہمت، صبر کتنا استقلال، پہنچتی ہے، اے کاہل انسان! چیونٹی کی طرز زندگی سے سبق حاصل کر، یہ جملہ بائبل سے ماخوذ ہے۔ شہد کی مکھیاں ہر پھول سے کتنے ضبط و تحمل سے صبر کے ذریعے بے حساب قوت حاصل ہوتی ہے۔ صبر کی وجہ سے غصہ کو قابو کیا جاسکتا ہے۔ صبر سے رہنا پہلے سیکھ لیں تو وہ Slow and steady wins race کے محاورہ جیسا ہے۔ صبر کی وجہ سے جو فائدے حاصل ہیں ان کے بارے میں سوچنا سیکھ لینا چاہئے۔ اس طرح سوچنے کی وجہ سے ہی غیر محسوس طریقے سے صبر والے ہوں گے۔ ہمیں دیکھ کر چار لوگ ہمیں سلام کرن جیسا تبدیل ہوں گے۔

زندگی میں سب کسی ایک طریقے سے تکالیف کا سامنا کرتے ہیں۔ چند لوگ تکلیف میں مبتلا ہونے پر کچھ نہ سمجھائی دے کر بے دلی سے ناامیدی کا شکار ہوتے ہیں۔ اپنی تکالیف کی وجہ دوسروں کو جان کر ان کی مذمت کر کے تسکین حاصل کرتے ہیں۔ اور چند لوگ تکالیف کا بوجھ نہیں سہہ کر خودکشی جیسی بزدلی کی حرکت کرتے ہیں۔ انسانی زندگی میں تکالیف مستقل ہمیں نہیں رہتے۔ ہم خواہش نہ رکھیں تب بھی دکھ ہمیں ملتے ہیں۔ تکلیف ہونے پر ناامیدی کا شکار ہونے کے بجائے اس کی وجوہات کو جانیں۔ اس پر فتح یاب ہونے کے لئے ہمت سے قدم آگے بڑھائیں۔

شرفاء سچے ہمدردانہ صفت رکھنے والے بری بات کو ناگواری سے سنتے ہیں تو پھر عام لوگوں کی حالت کیا ہے؟ اس طرح کی غلط تشہیر مذمت کو ہضم کرنا نہیں۔

کسی ایک طریقے سے تذلیل ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے ناامید نہ ہو کر سب کی زبان بندی کے لئے کی جانے والی کوشش کو رازیں گان نہ کرے۔ سچ کی تذلیل کرنے والے کے مند کو خود ہی اپنے ہاتھوں سے بند کر لے اس طرح کرنا چاہئے۔ ایک طریقے سے دیکھا جائے تو تنقید کرنے والے کی ضرورت کیا ہے کہتے ہیں اصل میں یہ لوگ ہماری کمزوریوں کو بتلا کر ان کی اصلاح کرنے والے استاد ہیں۔ صبر کی وجہ سے ہی یہ ہوشیاری ہمیں حاصل ہوئی ہے۔ صبر کے ساتھ تمام اچھی صفات بھی ہماری گرفت میں ہوتے ہیں۔ جھاڑ کر صاف ستھرا کرنے پر گاؤں بھی شہر نظر آتا ہے۔

قول:- 1. ایک لمحہ کا صبر پہاڑ جتنے خطرہ کو دور کرتا ہے۔ ایک لمحہ کی بے صبری پوری زندگی برباد کرتی ہے۔

سوامی وویکانند

2. صبر سے کام نہ لینے والا کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

انسانیت

4

I- اہم قدر : حیاتی مہارتیں

II- ذیلی قدر : انسانی رشتے، قدریں

III- مقاصد، مطلوبہ نتائج: اچھے کردار کا حامل ہونا چاہئے۔

☆ انسانی رشتے قائم رکھنے کے وجوہات کو معلوم کریں۔

☆ معقول اقدار کے حامل اچھے انسانی رشتوں کو استوار کرنا۔

IV- تمہید : موجودہ دور میں زندگی کی دوڑ دھوپ میں انسانی رشتوں میں کمی آگئی ہے۔ عوام جتنی اہمیت معاشی

امور کو دے رہے ہیں۔ اتنی اہمیت انسانی رشتوں کو نہیں دی جا رہی ہے۔ صبح نیند سے بیدار ہو کر اپنے کام کی تکمیل کر کے آفس چلے جانا اور پھر تھکے ہارے گھر واپس ہونے کے بعد میاں بیوی کے درمیان والدین اور بچوں کے درمیان یا رشتہ داروں سے، پڑوسیوں سے گفتگو کرنے وقت نہیں ملتا۔ وقت ملے تو بھی اس وقت کسی ٹی وی یا کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ کر ضائع کر دیا جاتا ہے۔ مگر آپس میں مل بیٹھ کر بات نہیں کرتے۔ اگر بات بھی کر لیں تو کام کے دباؤ میں رہ کر بے زارگی سے، جلدی میں بات کرنے سے دلوں میں دوریاں آرہی ہیں۔ بچے بھی آپس میں کھیل کود کے بجائے TV اور کمپیوٹر کی باتیں ہی کرتے ہیں اسی کو اہمیت دیتے ہیں۔ افراد کے درمیان رشتوں کو استوار کرنے کیلئے قائم رکھنے کیلئے، مسکراتے ہوئے اپنے پن سے بات کریں۔ عزت کرنے کا جذبہ ہونا چاہئے۔ انکساری، فرمانبرداری، برداشت صبر و تحمل کا حامل ہونا۔ یہ تمام طلباء میں فروغ دیں۔ وہ لوگ حالات کا جائزہ لے کر سمجھ کر ماں باپ کے ساتھ اور دیگر لوگوں سے اچھے تعلقات قائم کرنے کیلئے ان کی ہمت افزائی کریں۔

V۔ واقعات:

واقعہ-1

راگھو ساتویں جماعت کا طالب علم ہے۔ ذہین طالب علم ہے۔ اس کی ماں باپ دونوں ملازم پیشہ ہیں۔ صبح 9.00 بجے گھر سے نکل کر رات 8.00 بجے واپس ہوتے ہیں۔ راگھو کو گھر کے کام انجام دیتے وقت کئی طرح کے شبہات آتے ہیں۔ ماں کو پوچھنے پر بیٹا! تم دیکھو رہے ہونا کام میں مصروف ہوں! پاپا سے پوچھو ماں کہتی ہے۔ پاپا سے پوچھنے پر پاپا کہتے ہیں۔ ابھی آفس سے آیا ہوں۔ آتے ہی سوال کر رہے ہو بے زارگی سے کہتے ہیں۔ پیار سے بات نہیں کرتے۔ جن چیزوں کی ضرورت ہو وہ لا کر دیتے ہیں۔ مگر ماں اور باپ دونوں کو اس سے بات کرنے کی فرصت نہیں۔ راگھو کو کبھی کبھی شک ہوتا ہے کہ ماں باپ اسے چاہتے ہیں یا نہیں؟

واقعہ-2

حامد ساجد دونوں اچھے دوست ہیں۔ دونوں ساتویں جماعت کے طالب علم ہیں، آپس میں وہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ کبھی غصہ میں رہنے پر وہ ایک دوسرے سے روٹھتے ہیں مگر جھگڑا نہیں کرتے۔ کسی کو ایک کو تکلیف ہونے پر دوسرے کو درد ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ دونوں سیکل پر آتے وقت حامد سیکل سے گر گیا۔ کہنی اور گھٹنوں پر زخم آئے۔ بس پھر کیا تھا حامد کی آنکھوں میں آنسو آئے۔ اور ساجد کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔ وہ اپنی سیکل پر حامد کو دوا خانے لے گیا اور مرہم پٹی کروا کر اس کے گھر چھوڑ دیا۔ حامد اچھا ہو کر کھیلنے آنے تک ساجد بھی کھیلنے نہیں گیا۔ شام کے وقت حامد کے پاس بیٹھ کر بات چیت کیا کرتا تھا۔

واقعہ-3

راگھو یا ایک کسان تھا۔ راجو پالم گاؤں میں رہتا تھا۔ وہ بہت نیک تھا۔ بیوی نہیں تھی۔ بچے امریکہ میں رہتے تھے۔ چھوٹا بڑا امیر غریب کا فرق نہ کرتے ہوئے سب کی مدد کیا کرتا تھا۔ سب کے ساتھ اچھا رہتا تھا۔ اس کے چہرے پر بے زارگی اور غصہ گاؤں والے کبھی نہیں دیکھے اتفاق سے ایک دن وہ بیمار ہو گیا۔ پلنگ سے اٹھ نہیں سکا۔ پھر کیا تھا تمام لوگ جمع ہو گئے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ پورا گاؤں اس ایک گھر میں ہے۔ کسی نے ڈاکٹر کو بلا لایا۔ اور کوئی اپنے گھر سے اس کی ضرورت کے تحت دودھ دلیا، پکا کر لایا اور ایک اس کیلئے دعا کا اہتمام کیا۔ اس طرح رات بھر اس کی تیمارداری کی گئی۔ راگھو یا پھر سے صحت یاب ہو گیا۔

VI۔ (الف) سوچنا۔ ردعمل کا اظہار کرنا۔

- 1- مذکورہ بالا واقعات کے ذریعہ آپ نے کیا سبق حاصل کیا؟
- 2- افراد کے درمیان تعلقات کیوں قائم ہونا چاہئے؟ کس طرح کے تعلقات کے حامل ہونا چاہئے؟
- 3- افراد کے درمیان تعلقات استوار ہونے کیلئے ہمارا برتاؤ کس قسم کا ہونا چاہئے۔
- 4- کیا آپ کو اچھے دوست ہیں؟ وہ آپ کو کیوں پسند ہیں؟

5- خوشحال زندگی بسر کرنے کیلئے دولت جائیداد ضروری نہیں بلکہ سب کے ساتھ اچھے تعلقات بنائے رکھنا ضروری ہے اس بات کی آپ کس طرح تائید کرتے ہیں؟

6- آپ کے گھر میں اور آپ کے اطراف و اکناف والوں کے ساتھ آپ کا سلوک کیسا ہو؟ وہ لوگ آپ کے ساتھ کس طرح برتاؤ کرتے ہیں؟

(ب) عمل میں لانا۔ تجربات بیان کرنا۔

1- اس ہفتے آپ بزرگوں کے تئیں عزت اور رحم دلی کے ساتھ پیش آئیں۔ کسی پر بھی غصہ ناراضگی کا اظہار کئے بغیر صبر و تحمل سے رہیں۔ دوسروں کے کام آئیں۔ اپنے تجربات بیان کیجئے۔

جانیے

انسان سماجی جاندار ہے۔ سماج میں زندگی گزارنا ہو تو سماج کے افراد سے تعلقات قائم رکھنے افراد کے درمیان تعلقات ان کے اپنے برتاؤ کی وجہ سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ یعنی کبھی دوست رہنے والا کچھ مدت کے بعد دشمن بن چکا ہے۔ آپ کے چاہنے والے آپ کے خلاف ہو سکتے ہیں۔ افراد کے درمیان قائم تعلقات میں بگاڑ پیدا کر لینا ہی اس کی وجہ ہو سکتی ہے۔ افراد کے درمیان تعلقات کو چاہے وہ خاندان میں ہو یا پھر سماج میں ہوتا دیر تک قائم رکھنے مستحکم کرنے کیلئے ہمیں اچھے موزوں اقدار کا حامل ہونا چاہئے۔ اپنے کام یا گفتگو سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچائیں۔

عام طور پر انسانی تعلقات آپسی ضرورتوں پر منحصر ہوتے ہیں۔ یہاں ضرورت سے مراد صرف طبعی ضرورتیں ہی نہیں بلکہ نفسیاتی ضرورتیں بھی ہیں۔ مثلاً افراد خاندان کے درمیان رہنے سے مجھے مسرت ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہاں ہماری ذہنی ضرورت کی تکمیل ہو رہی ہے۔ اسی طرح سماج کے افراد بھی کسی کام کو مکمل کرنے کیلئے فرد واحد کی قوت ناکافی ہونے پر ایک تنظیم کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ یہاں تعلقات بھی ضرورت کے تحت ہوتے ہیں۔ اس طرح انسانی تعلقات کو پائیدار بنانے کیلئے ہمیں چند اچھے موزوں کردار کا حامل ہونا چاہئے۔ جیسے۔

بھروسہ:-

انسانی رشتے ایک دوسرے کے بھروسہ پر منحصر ہوتے ہیں۔ اگر سامنے والے شخص میں ایمانداری ہو تو تبھی ان پر ہمیں اعتبار ہوتا ہے۔ اس لئے تعلقات مستحکم ہونے کیلئے بھروسہ کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔ بھروسہ کرنے والے کو یہی دھوکہ دے سکتے ہیں۔ سمجھ کر اگر بھروسہ کو ٹھیس پہنچائیں گے تو اس سے تعلقات مجروح ہوتے ہیں۔

مثلاً: ماں ہم پر ہر وقت بھروسہ کرتی ہے۔

مثلاً: ماں ہمیشہ اپنے بچوں کی باتوں پر بھروسہ کرتی ہے؟ اماں۔۔! میں اپنے دوست کے گھر پڑھنے کیلئے جا رہا ہوں اسے ماں خوش ہو کر اجازت دیتی ہے۔ لیکن آپ وہاں جا کر پڑھنا چھوڑ کر۔۔ TV دیکھنا یا پھر کھیلنے میں لگ گئے تو یہ بات اگر تمہاری ماں کو معلوم ہو جائے تو سوچو! کہ تم پر تمہاری ماں کا جو بھروسہ ہے وہ ختم ہو جائیگا۔ اس کو کتنی تکلیف ہوگی!
ایک دوسرے کی عزت کرنا۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا احترام ہو تو آپ بھی دوسروں کا احترام کریں۔ یعنی اگر ہم کسی کو عزت دیں تو بدلے میں دوسرے ہمیں عزت دیں گے۔ جہاں عزت نہ ہو وہاں ہم تھوڑی دیر بھی نہیں ٹھہرتے۔ اس لئے چھوٹا بڑا، عورت، مرد، حاجت مند جیسے تفرقات کے بغیر ہر کسی کی عزت کرنا چاہئے۔ عزت حاصل کرنی چاہئے۔ طلباء مدرسہ میں اساتذہ سے ملنے پر انہیں عزت دے کر ان کی شفقت حاصل کرنا چاہئے۔

مثلاً: گھر آنے والے لوگوں کے ساتھ عزت سے پیش آئیں۔

مثلاً: ریشمہ کے گھرانے کے والد کے دوست یا کوئی اور آنے پر یا بزرگ وغیرہ آجائیں تو انہیں بڑے احترام سے پیش آتے ہوئے عزت کے ساتھ بیٹھاتی ہے۔ انہیں پانی کیلئے پوچھتی ہے۔ آنے کی غرض و غایت معلوم کرتی ہے۔ آنے والوں کے ساتھ ریشمہ کا سلوک نہ صرف پسند آتا ہے بلکہ وہ بھی ریشمہ کو عزت دیتے ہیں۔

ہمدردی:-

کسی کو تکلیف ہونے پر ہم کو یا اس کی جگہ رہ کر محسوس کر کے مدد کرنی چاہے۔ اسی کو ہمدردی کہتے ہیں۔ مثلاً کوئی تکلیف میں ہو تو ان سے اپنائیت کی باتیں کر کے ان کے دکھ کو کم کرنا ہمدردی ہے اس لئے وہی خود ان حالات میں اپنے آپ کو رکھ کر اس کی تکلیف کا احساس کریں اور اس کی مدد کریں تو وہ ہمدردی ہے۔ اس کی وجہ سے انسانی تعلقات کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔

افراد دوسروں کے نفع نگاہ سے سوچنے لگیں تو غلط فہمیاں پیدا نہ ہوں گی۔

مثلاً: جانداروں کو زخم لگنے پر انہیں پرسہ دے کر ضروری امداد پہنچانا۔

مثلاً: 1) بلی کے دو بچے کھیل رہے تھے۔ اتنے میں ایک گاڑی کے پیسے میں پھنس گیا اور تکلیف سے چلانے لگا۔ اس کو شائیلہ

نے دیکھ لیا۔ کسی بھی طرح اس کو بچانا ہے سو چلی۔ وہ گاڑی کے پہنچنے میں پھنسنے سے ڈر کر تکلیف سے چلا رہا ہے۔ شائیلہ

نے بہت احتیاط سے آہستگی سے اسے باہر نکالا اور اس کی مرہم پٹی کی۔

ہم آہنگی (مطابقت)

افراد سے یا پھر ماحول سے اپنے آپ کو ہم آہنگ کر لے تو فرد کہیں بھی وہ خوشگوار زندگی گزار سکتا ہے۔ اچھے تعلقات استوار کر سکتا ہے۔ افراد کی عادات، ان کی نفسیات، کردار وغیرہ مختلف رہتے ہیں۔ اس طرح سے مختلف مزاج ہونے کے باوجود عوام سے اچھے

تعلقات استوار کرنے کے لئے ہم آہنگی ضروری ہے۔

مثلاً:

بس میں بہت زیادہ بھیڑ ہے۔ کئی لوگ کھڑے ہوئے ہیں۔ اس میں بزرگ لوگ بھی ہیں۔ سعید انور انہیں دیکھ کر اپنی نشست سے اٹھ کر انہیں جگہ دی۔ ان بوڑھے لوگوں کو بہت خوشی ہوئی۔

شکریہ:-

ہماری مدد کرنے والے کو احسان کرنے والے کا شکریہ ادا کرنا ہمارا فرض ہے۔ ہم پر احسان کرنے والے کو کبھی نہیں بھولنا چاہئے۔ بلکہ انہیں بھی ہم سے جو ہو سکتا ہے وہ مدد پہنچانی چاہئے۔

مثلاً: سراج الدین پوسٹ ماسٹر صاحب کا گھر کہاں پر ہے۔ ان سے ملنا ہے جاوید نے گاؤں والوں سے پوچھا۔ ارے۔ وہ۔۔۔! وہ تو اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ ان کا انتقال ہو کر کافی عرصہ ہوا ہے۔ گاؤں والوں نے بتلایا۔ ان کے گھر میں گھر والے ہیں کیا۔ اس نے دوبارہ سوال کیا۔ وہ ہیں وہ ان کا گھر ہے کہہ کر دکھایا۔ جاوید جانے تک ان کے گھر میں ان کی بیوی بیٹا بہو تھے۔ جاوید ان کو اسلام کر کے اپنا تعارف کروایا۔ اور کہا کہ میں سب انسپکٹر آف پولیس کی نوکری کرتا ہوں۔ آج میں ان ہی کی بدولت اس مقام پر پہنچا ہوں۔ ان کے پاس کئی ہفتوں رہ کر پڑھائی کیا ہوں۔ مجھے کھانا دیا۔ تعلیم دی اور مجھے قابل بنانے والے کا شکریہ ادا کرنے کیلئے آیا ہوں۔ میری بد قسمتی ہے کہ میں ان کا دیدار نہ کر سکا۔ ماسٹر صاحب کے خاندان کو حیرت اور خوشی محسوس ہوئی۔

انکساری، فرماں برداری:-

بزرگوں کے تئیں انکساری، فرماں برداری سے پیش آنا چاہیے۔ یہ اخلاق ہماری عزت کو بڑھا دیتے ہیں۔ مثلاً: بابا۔۔! رہنے دیجئے سامان میں اندر لاتا ہوں کہتے ہوئے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھیلی کو ریحان نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ گھر میں بھی ایسے ہی ماں باپ کے کہے ہوئے کام کو کسی بھی طرح کرتا تھا۔ ان کی باتوں کو نہ صرف اہمیت دیتا تھا بلکہ کہیں بھی جھول نہیں آنے دیتا تھا۔ ریحان پر کسی کے ساتھ ایسے ہی برتاؤ کرتا تھا۔ دوسروں کو عزت دینا، ان کی باتوں کو انکساری، سعادت مندی سے سنتا، عمل کرتا تھا اسی لئے اس گاؤں کے لوگوں کیلئے ریحان فخر کا باعث ہے۔

عفو درگزر (معاف کرنا)

دوسرے غلطی کرنے پر انہیں معاف کرنے کی صفت کا حامل ہونا۔ اسی طرح ہم بھی غلطی کرنے پر اس کو قبول کرتے ہوئے معافی

مانگنا چاہئے۔

مثلاً:-

میں نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔! میں اپنے ماں باپ سے بیوپار کرنے کے بہانے رقم لے کر خرچ کر دیا ہوں۔ اب کیا منہ لے کر ان کے پاس جاؤں میں اب گھر نہیں آؤں گا۔ رفیق نے اپنے دوست مجاہد سے کہا۔ تجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے میں تیرے ماں باپ کو اچھی طرح جانتا ہوں وہ تجھے سمجھ کر معاف کر دیں گے۔ تجھے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں چل گھر چلیں گے کہا۔ مجاہد کے کہنے کے مطابق ہی رفیق کے ماں باپ نے کہا تم گئی تو کیا ہوا پھر سے کمالیں گے اگر تو نہیں تو ہمارا کیا ہوگا کہہ کر رفیق کو وہ نزدیک لئے۔ وہ لوگ اس طرح غصہ نہ ہو کر اسے معاف کر دینے سے رفیق نے یہ تہہ کر لیا کہ آئندہ وہ کبھی اس طرح کی حرکت نہیں کریگا۔

جذبات پر قابو رکھنا:-

انسانی رشتوں کے استحکام میں یہ اہم کردار ادا کرتا ہے۔ عام طور پر افراد کے درمیان تعلقات دشمنی میں تبدیل ہونے کی وجہ جذبات پر قابو نہ رکھتا ہے۔ ہم میں جلد بازی، غصہ، دشمنی کو قابو میں کرتے ہوئے برداشت اور تحمل کو اپنا کر انسانی رشتوں کو پرامن طریقہ سے جی سکتے ہیں۔

یعنی ہم دوسروں کے ساتھ اچھے تعلقات کو استوار کرنے اور ان کو پائیدار کرنے کیلئے مذکورہ بالا نکات پر عمل کریں۔ انسانی تعلقات کو استوار کرنے والا شخص کسی بھی طرح کا توازن کھوئے بغیر کامیابی سے، مطمئن انداز میں زندگی گزارتا ہے۔

مثلاً: غصہ میں آجائے تو حبیب آدمی نہیں رہتا طیش میں آجاتا ہے۔ گھر میں سب کو گالی گلوچ ہی نہیں بلکہ کچھ بھی نظر آئے تو اسے اٹھا کر پھینک دیتا تھا۔ ایک مرتبہ اس طرح پھینکنے سے لکڑی جا کر اس کی بیٹی کی آنکھ میں لگ کر آنکھ چلی گئی۔ ایک آنکھ سے بیٹی کو دیکھ کر اندر ہی اندر گھٹ گھٹ کر رونے لگا۔ وہ اس وقت اگر اپنے غصہ پر کنٹرول کیا ہوتا تو یہ حادثہ نہ ہوا ہوتا۔ اس طرح وہ روز اپنی بیٹی کو دیکھ کر پچھتاتے اور غمگین ہوتا رہا۔

آپ اپنے آپ کو جانچئے کیا آپ ایسا کر رہے ہیں؟

- 1- ماں باپ کے بھروسے کو ٹھیس پہنچائے بغیر رہ رہے ہیں؟
- 2- مجھ پر بھروسہ کر کے دیئے گئے کام کو انجام دینا۔
- 3- دوسروں کو عزت کی نگاہ سے دیکھنا۔
- 4- دوسروں کی مدد کرنا۔
- 5- دوسروں کی ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر اپنے آپ کو ان سے ہم آہنگ کر لینا۔

- 6- میرے پاس جتنا ہے۔ اس میں سے دوسروں کو بانٹنا۔
- 7- مجھے یہی چاہیے کی ضد کرنا۔ حاصل کرنا
- 8- کسی کے بھی احسان کو نہ بھولنا انہیں شکر یہ کہنا۔
- 9- بزرگوں کے تئیں انکساری سے رہنا۔
- 10- غلطی کرنے پر اس کی معافی مانگنا۔
- 11- غصہ کو قابو میں رکھنا۔
- 12- تمام لوگوں سے خوش دلی سے بات کرنا۔
- 13- صبر و تحمل کے حامی ہونا۔
- 14- سب کے ساتھ اپنائیت سے بات کرنا۔

کیا ہم یہ کر رہے ہیں؟

- 1- ہمارے کام کیا ہم پورے کر رہے ہیں؟
- 2- اپنا بیگ اپنی کتابیں سلیقہ سے رکھ رہے ہیں؟
- 3- کیا اپنے کپڑے ہم خود صاف کر رہے ہیں؟
- 4- کمرہ جماعت کو کالے ہم صاف ستھرا رکھ رہے ہیں؟
- 5- کیا اپنے اطراف کے ماحول کو صاف ستھرا رکھ رہے ہیں؟
- 6- کیا مدرسہ کی چیزوں کی حفاظت کر رہے ہیں؟
- 7- کیا گھر میں ہم سے متعلق چیزوں کو احتیاط سے یکجا کر رہے ہیں؟

قول:- اپنے گھر آنے والا شخص چاہے وہ جو کوئی بھی ہو۔ اس کا احترام کرنا چاہئے۔ خیر خیریت دریافت کر کے حسب حیثیت اس کی خاطر مدارات کر کے خوش کریں۔

فرائض کی انجام دہی

- I- اہم قدر : ذمہ داری نبھانا، فرائض کی انجام دہی
- II- ذیلی قدر : مدرسہ کی ترقی میں طلباء کی ذمہ داری کا فہم حاصل کریں۔
- III- مقاصد، مطلوبہ نتائج: ☆ طلباء کی حیثیت سے بچے جن جن فرائض کی تکمیل کرنا ہے جانیں گے۔
- ☆ مدرسہ کی میراث (جائیداد) کے تحفظ میں ان کی ذمہ داریوں کو جانیں گے۔

IV- تمہید : ہم بچے جیسے جیسے بڑھتے ہیں ہماری ضروریات کیلئے استعمال کی چیزوں کو بڑی احتیاط سے اس کا تحفظ کرتے ہیں۔ ہمارے گھر میں اپنی چیزوں کے تحفظ کی ذمہ داری لینا۔ اسی طرح اپنا کام خود کرنا۔ اسی طرح۔ اپنے مدرسہ میں بھی اپنی ذمہ داری نبھائیں۔ ہمارا مدرسہ اپنی جماعت ہماری ہے کا جذبہ ہو تو اس پر اپنی خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ اس طرح اس کی ذمہ داری بھی نبھائیں۔ اس قسم کی ذمہ داری کے بارے میں بتلانا اس سبق کا مقصد ہے۔

V- واقعات:

I- واقعہ:

وقت صبح کے 8.50 منٹ ہو رہے ہیں۔ دو اساتذہ بس سے اتر کر جلدی جلدی مدرسہ کو آئے۔ مدرسہ کے سامنے بچے جمع ہو کر سو کر رہے تھے۔ کمرہ جماعت میں اور احاطہ میں صفائی نہیں کریں۔ اساتذہ بچوں کو پکار کر ان کے ذریعہ کام مکمل کر لیں۔ اتنے میں دعا کا وقت ہو گیا۔ گھنٹی بجی۔ آواز سن کر بچے خاموش تو ہو گئے قطار میں کھڑے نہ ہوئے۔ اساتذہ ہی مشکل سے انہیں قطار میں کھڑے کئے۔ دعا کا وقت چلے جا رہا تھا اس لئے جلدی میں زرین اقوال، خبریں پڑھے بغیر ہی قومی ترانہ بچوں کے ذریعہ پڑھایا گیا۔ اساتذہ جماعتوں میں چلے گئے۔ دو تین بچے باہر پھر رہے تھے۔ تمام مدرسہ میں ہمیشہ شور رہتا ہے۔ (مڈڈے میل) ظہرانہ کے وقت طلباء قطار میں کھڑے نہ ہو کر مار پیٹ کر رہے تھے۔ صفائی کا دھیان نہیں تھا۔ کھیل کھیلتے وقت بہت جھگڑا کرتے تھے۔ جھگڑے میں بچوں کو زخم آئے۔ طلباء کے اجلاس میں کوئی کسی کی سنے بغیر بات کر رہے تھے۔ اس مدرسہ میں کبھی کوئی جشن نہیں ہوتا۔ بچوں کو مختلف

پروگراموں کے بارے میں کچھ نہیں جاننے۔ ریالی کا اعتقاد نہیں ہوتا۔ مدرسہ میں کچھ کام نہیں ہوتا۔ شام تک کمرہ جماعت ردی کاغذوں سے بھر جاتے ہیں۔ بچے لائبریری کتب پڑھنے کے لئے لے جا کر پھر واپس نہیں کرتے۔ اگر دیئے بھی تو پھٹی ہوئی کتابیں آتی ہیں۔ مدرسہ کی چیزوں کو توڑ پھوڑ دیتے ہیں۔ شام میں چھٹی کی گھنٹی بجنے سے پہلے ہی تمام بچے ایک ہی سر میں پیچھے ہوئے ایک دوسرے کو دھکیل کر دوڑتے ہوئے گھر جاتے ہیں۔ اس طرح نہ کر کے آپ اپنی ذمہ داری کو اچھی طرح نبھائیں۔

واقعہ-2

دوسرا مدرسہ:- اس مدرسہ میں تمام بچے نظام الاوقات کی پابندی کرتے ہوئے قطار میں کھڑے ہو کر دعا کرتے ہیں۔ کمرہ جماعت کو صاف ستھرا رکھتے ہیں۔ مدرسہ کے احاطہ میں صفائی کا لحاظ رکھتے ہیں۔ کمرہ جماعت میں اساتذہ کی جانب سے قائم کئے جانے والے مختلف مشاغل میں پابندی سے حصہ لیتے ہیں۔ ظہرانہ کے وقت ہاتھ پلیٹ دھو کر قطار میں کھڑے رہ کر کھانا لے کر کھاتے ہیں۔ کوڑے دان میں پچرا ڈالتے ہیں۔ بیت الخلاء کو استعمال کر کے اسے صاف ستھرا رکھتے ہیں۔ صحت مند عادتیں اپناتے ہیں۔ شام کے وقت اصول کے مطابق بہت خوشی سے کھیل کھیلتے ہیں۔ ورزش کرتے ہیں۔ مدرسہ کے احاطہ میں شجر کاری کر کے ہر ایک درخت کی جماعت واری ذمہ داری لے کر اس کی افزائش کرتے ہیں۔ ہفتہ واری بچوں کے اجلاس میں خود کے ذریعہ کئے جانے والے کام کے بارے میں جائزہ لے کر مسائل کا حل دریافت کرتے ہیں۔ اور اس کے حصہ کے طور پر نظم، گیت کہانیاں بولتے ہیں۔

خاص طور پر مدرسہ کے وسائل کے تحفظ میں ذمہ داری نبھاتے ہیں۔ لائبریری کتب کو جماعت واری رکھتے ہیں۔ جماعت واری کتابوں کی تقسیم کر کے ایک ہفتہ کے بعد دوبارہ اس کی جگہ رکھتے ہیں۔ مدرسہ کی چیزوں کو بہت احتیاط سے حفاظت کرتے ہیں۔ کسی چیز کے ملنے پر ایمانداری کا بکسہ (BOX) میں ڈالتے ہیں۔

سماجی سرگرمیوں میں ریالی کا نظم کرتے ہیں۔ ان کے کئے ہوئے کام کے بارے میں ان کے والدین کو بتلاتے ہیں۔ مدرسہ کے سالانہ جلسے میں ہر کوئی اپنی ذمہ داری لے کر اس کو نبھاتا ہے۔ اس جشن میں اولیائے طلباء گاؤں کے بڑے حکمرانوں کو مدد کرتے ہیں۔ اسٹیج کے لئے ضروری چیزوں کو حاصل کر کے اساتذہ کی صلاح و مشورہ سے طلباء ہی سجاتے ہیں۔ مدعوین کا استقبال مسکراتے ہوئے کرتے ہیں۔ ثقافتی پروگراموں کے ذریعہ مدعوین و حاضرین کی دلجوئی کرتے ہیں۔

کمرہ جماعت میں اساتذہ کو سن کر بروقت گھر کے کام کی تکمیل کرتے ہیں۔ خوب پڑھتے ہیں۔ ہر سال اچھے نتائج آتے ہیں۔ وہ مدرسہ نہ صرف اس گاؤں کے لئے ہی نہیں بلکہ پڑوسی گاؤں کے لوگوں کے لئے بھی بہت پسندیدہ ہے۔ اس لئے وہ مدرسہ ایک اچھے مدرسہ کی حیثیت سے شناخت کیا جانے لگا۔ یہ تمام کام بچے خود ذاتی طور پر انجام دینے سے وہ مدرسہ بہت ترقی حاصل کر لیا۔ ہر سال بچوں کے داخلہ میں بھی اضافہ ہونے لگا۔

V۔ (الف) سوچنا۔ ردعمل کا اظہار کرنا۔

- 1- آپ مذکورہ بالا دو واقعات کو دیکھتے ہیں! ان کے ذریعہ آپ کیا سبق حاصل کئے ہیں بتلائے؟
- 2- مذکورہ بالا دونوں مدرسوں میں کونسے مدرسہ سے قریبی تعلق ہے بتلائے؟
- 3- مدرسہ میں بچے اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے سے کیا نتیجہ نکلا؟
- 4- ایک طالب علم کی حیثیت سے آپ اپنی ذمہ داری نبھاتے وقت آپ کو کیسا محسوس ہوتا ہے؟
- 5- مدرسہ میں آپ کو کونسی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ اس کو کس طرح نبھاتے ہیں؟

(ب)

- 1- مدرسہ کی تمام چیزیں مجھ سے متعلق ہیں سمجھنے پر اس کی حفاظت کیلئے آپ کیا اقدامات کریں گے۔ کس کی مدد لیں گے؟ اپنے تجربات بیان کیجئے۔

لیڈر کیا کرنا چاہئے۔

- ☆ خود اپنے آپ کو پہلے جانیں، مقاصد کا تعین کر لیں۔
- ☆ اپنے کام کے علاوہ دوسروں کے کام کو بھی اپنا کام کی طرح تصور کریں۔
- ☆ قائد اچھی (مثبت) سوچ کے ذریعہ اچھے سلوک کے ذریعہ کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔

لائحہ عمل:-

آپ کون کونسے موقعوں، موضوعات، مسائل کے حل میں اچھی قیادت کئے ہیں لکھئے۔
مثلاً: میں اپنے معلم کی غیر موجودگی میں کمرہ جماعت میں میرے ساتھی طالب علموں کو نظم و ضبط سے رکھنے کی قیادت کرتا ہوں۔

- 1-
- 2-
- 3-
- 4-
- 5-
- 6-

گروہی کام (Team work) مل کر کام کرنا۔

ہمارے جسم کے اعضاء جس طرح آپس میں مل کر قوت کے ساتھ کام کرتے ہیں اسی طرح گروہی کام میں بھی ہر ایک ممبر صاف دل سے کھلے طور پر مل کر کام کرنے کو ٹیم ورک کہتے ہیں۔

☆ متحدہ تصور کے طور پر کام کرنا۔

☆ ہر ایک کو کام میں منہمک کرنا۔

☆ ٹیم ورک کیلئے ہم ایک کہانی کو دیکھیں گے!

کہانی: ایک شکاری کبوتروں کیلئے جال بچھا کر پکڑنے کیلئے ایک درخت کے نیچے جال بچھا کر دانے ڈال کر دور جا کر بیٹھ گیا۔ آسمان میں اڑتے ہوئے کبوتروں کے جھنڈ میں ایک کبوتر نے نیچے دانوں کو دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے انہیں کھانے کیلئے کہا۔

اس میں ایک عقل مند کبوتر کے انکار کرنے کے باوجود اس کی بات کو ان سنی کر کے تمام کبوتر نیچے اترے اور اس شکاری کے جال میں پھنس گئے شکاری کو آنا دیکھ کر تمام کبوتر اس عقل مند کبوتر کے مشورہ کے مطابق ایک ساتھ اوپر اڑ گئے اس طرح اڑ کر اپنے دوست چوہے کے پاس گئے اور اپنے جال کو کاٹنے کے لئے کہا۔ چوہے نے جال کو کتر کر انہیں قید سے آزاد کر دیا۔

مل کر کام کرنے کے فائدے:-

- 1- کم وقت میں زیادہ کام کر سکتے ہیں۔
- 2- ہر کام کو مہارت کے ساتھ کر سکتے ہیں۔
- 3- متعین وقت میں اپنے مقصد کو پاسکتے ہیں۔
- 4- ہر ایک ہی مل کر کام کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔
- 5- ہر ایک میں مہارتیں خود اعتمادی پیدا ہونی چاہئے۔

TEAM

Together

Everyone

Achieve

more

جانے

ہر ایک ادارہ فراخ دلانہ مقصد کے تحت کام کرتا ہے۔ وہ ادارہ اپنے کام کرنے کے طریقے سے سماج پر اپنا اثر دکھاتا ہے۔ ایک پولیس اسٹیشن، دو خانہ اپنے مقاصد کی تکمیل کرتا ہے تو تصور کیجئے کہ سماج کیسا رہے گا۔

پورے سماج کی تعمیر کو متاثر کرنے والی قوت صرف ایک مدرسہ ہی ہے۔ مدرسہ جن اعلیٰ مقاصد کے لئے کام کرتا ہے۔ ان مقاصد کی تکمیل کیلئے منصوبہ بند طریقے سے عمل کر کے تجزیہ کرنے والے پروگراموں کے تسلسل کو مدرسہ کی ترقی کا نظام کہہ سکتے ہیں۔

ہمارے سرکاری مدارس میں آنے والے طلباء کون ہیں؟ ان کا پس منظر کیا ہے؟ جیسے موضوعات پر ہم غور کریں۔ تو ہمارے مدارس کو آنے والے طلباء کی اکثریت غریب اور تعلیم کے تئیں مناسب رجحان نہ رکھنے والے سماجی طبقہ سے تعلق رکھنے والے ہوتے ہیں۔ ان کو معیاری تعلیم فراہم کرنا ملک اور سماج کی خدمت ہوگی۔ ماہر تعلیم اور انسانی اقدار کے حامل ہم ایک بار سوچ کر بچوں کو معیاری مواقع فراہم کریں اس کیلئے انہیں اکتسابی ماحول فراہم کر کے تمام ہم نصابی سرگرمیوں میں ان کی شراکت کو دیکھتے ہوئے علم کی تشکیل کریں۔ ان میں ہمہ جہتی ترقی کو پروان چڑھائیں۔

مدرسہ کی نیک نامی کیلئے بچوں کو معیاری تعلیم فراہم کریں۔ طلباء و تدریس اکتساب میں تندہی و چستی سے حصہ لیں۔ تمام بچوں کو ہر پروگرام میں شرکت کرنے کیلئے اچھا ماحول فراہم کریں۔ تبھی اچھے نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔

مدرسہ کی ترقی کیلئے انسانی تعلقات خوش گوار ہونے چاہئے۔ مدرسہ سماج، آپس میں گھل مل کر مدد حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ سماج کے معنی صرف بچے اور ان کے والدین ہی نہیں۔ گاؤں والے، مختلف طبقے کے افراد، حکمران، خدمت خلاق کا جذبہ رکھنے والے افراد یہ تمام ترقی کے علامات ہیں۔ مدرسہ میں منعقدہ پروگرام میں بھی ان لوگوں کی شمولیت کو یقینی بناتے ہوئے مدرسہ کو مدد فراہم کروائیں۔

مدرسہ کے ذریعہ ہی علمی اکتساب کے ذریعہ دیہی ترقی ممکن ہے بچوں کے اشتراک سے ہی تدریسی اکتساب کے مشاغل منعقد کروائیں۔ کھوج، مشاغل، تجربات وغیرہ مدرسہ میں ہونے چاہئے۔ بچوں میں متوقع تخلیقی صلاحیت و قوغ پذیر ہونی چاہئے۔

تعلیمی نظام میں ہر سطح میں کام کرنے کے طریقہ تبدیلی ہونی چاہیے۔ ہمت افزائی کا ماحول فراہم کریں۔ قابل قیادت ایسی ہو جو اساتذہ میں نیا جوش بھردے۔ کام کی روایت باعث فخر ہو ایسا ماحول قائم کرنا چاہئے۔ مدرسہ میں مدرس، اساتذہ اہم شخصیتیں ہیں۔ وہ مسائل کے حل میں آگے آ کر مثالی ثابت ہوں۔ دوسروں کو متاثر کرتے ہوئے کام کی تکمیل کر لیں۔

انسانی وسائل کا انعقاد مدرسہ کی ترقی میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ اساتذہ خود کو وقف کر دینے کے جذبے کے ساتھ کام کریں۔ مختلف پروگراموں میں طلباء کی شراکت میں اضافہ کریں۔ آپسی مدد، صلاح و مشورہ دیتے رہیں۔

مدرسہ میں اہم وسائل، گرانٹس، لائبریری، تجربہ گاہ وغیرہ تمام وسائل کے استعمال پر ہی مدرسہ کی ترقی کا دار و مدار ہے۔ تدریسی اکتسابی اشیاء، کمپیوٹر وغیرہ کو جمع کر کے معاشی طور پر مستحکم ہوں۔

طلباء کی مدرسہ میں حاضری کو والدین یقینی بنائیں۔ اس لئے مہینہ میں ایک بار والدین کے اجلاس منعقد کر کے غیر حاضر طلباء سے والدین کو واقف کروائیں۔ بچوں کی ترقی سے متعلق والدین کو آگاہ کریں۔ مدرسہ کے SMC اجلاس میں اولیائے طلباء کی حاضری و شرکت کو یقینی بنائیں۔

مدرسہ کی ترقی کیلئے اہم منصوبہ بندی، ادارہ جاتی منصوبہ تعلیمی سال کے اوائل میں صدر مدرس، اساتذہ اور اختیاری ادارے SMC اراکین مل کر تشکیل دے لیں۔ ان تعلیمی موضوعات کے ساتھ بنیادی سہولتیں، سماج کی اشتراک جیسے کئی موضوعات کو جگہ دیں۔ مدرسہ میں بچوں میں اکتساب کے ساتھ ساتھ کئی دوسرے پروگرام میں حصہ لینے سے بچوں کا تمام بالمقابل تعارف حاصل کرنے کی راہ ہموار ہونی ہے۔ ثقافتی پروگرام، ریالی (بڑی باٹا) پلس پولیو قومی تہوار وغیرہ صحت کے پروگرام، ماحول کی صفائی، سرسبز و شاداب، میلہ، سائنس فیئر، تعلیمی تفریح، قومی تہوار، طلباء کی انجمنیں، فلاحی پروگرام وغیرہ میں بچوں کا اشتراک بہت ضروری ہے۔

مدرسہ میں منعقد کئے جانے والے مختلف پروگرام سے متعلق کام کیلئے فرائض انجام دینے کیلئے بچوں کی کمیٹی کی تشکیل ضروری ہے۔

1- صاف صفائی کی کمیٹی، 2- صحت بخش غذا کی کمیٹی، 3- سرسبز و شاداب ماحول کی صفائی کی کمیٹی، 4- نظم و ضبط کی کمیٹی

ماحول کی صفائی کی کمیٹی

کمرہ جماعت مدرسہ کے احاطہ کو صاف ستھرا رکھنا ہر کلاس سے ایک بچے کو اس کمیٹی میں ممبر کی حیثیت سے رکھیں۔

حفظانِ صحت کی کمیٹی

بچے صحت سے متعلق عادتوں کا جائزہ لیں۔ ظہرانہ (Midday meals) کے وقت تمام بچے ہاتھ پلٹ دھونے کی ترغیب

دیں۔

ماحول کی صفائی۔ سرسبز و شاداب کی کمیٹی

مدرسہ میں پودوں کی افزائش، اس کی ہر روز جماعت واری ذمہ داری نبھاتے ہوئے اس کی حفاظت کریں۔

نظم و ضبط کی کمیٹی

دعا کے وقت آنا، بچے اپنی کتابوں کو سلیقہ سے رکھنا۔ کمرہ جماعت میں نظم و ضبط کے تحت رہیں۔ اساتذہ کے ذریعے دیئے گئے کام

کو پورا کرنا مدرسہ کی چیزوں کو خراب ہونے سے بچانا۔

مذکورہ کمیٹیوں میں بچے کسی طور ذمہ داری نبھائیں۔

قول: ہر فرض کو عبادت کا درجہ دیں۔ عقیدت کے ساتھ انجام دیئے جانے والا فرض عبادت کے

مترادف ہے؟

پیش بینی

6

- I- اہم قدر : بچت
 II- ذیلی قدر : کل کے لئے بچت کرنے پر آگہی حاصل کرنا۔
 III- مقاصد، مطلوبہ نتائج: ☆ کل کے لئے بچت کرنے سے متعلق جانیں گے۔
 ☆ بچت کرتے ہیں۔

IV- تمہید : نجی زندگی میں دولت کو دی جانے والی عزت سے ہم واقف ہیں۔ صبح اٹھنے سے لے کر شام میں سونے تک ہمارا سفر روپیوں سے منسلک ہے۔ ہماری ضرورتوں کی تکمیل کیلئے روپیہ اہم ہے۔ ایسے روپیہ کی بچت نہ کریں تو ہم بہت مشکل میں پڑ سکتے ہیں۔ زندگی میں جتنا ممکن ہو صحیح راستہ پر اپنا پیسہ لگائیں، کہتے ہیں بڑے لوگ یہ ہمیں سکھایا جانے والا سب سے پہلا معاشی اصول ہے۔ دور حاضر میں بچت پر دھیان نہ دیں تو زندگی جینا دو بھر ہو سکتا ہے جو زندگی کا حقیقی سچ ہے۔ اس لئے بچوں کو شروع سے ہی بچت کی عادت ڈالنا چاہئے صرف روپے ہی نہیں بلکہ ہمیں دستیاب وسائل، ہوا، پانی، زمین اور اسی طرح ایندھن، بجلی، چیزوں کو بھی احتیاط کے ساتھ برتنے کے بارے میں فہم دیں۔

V- واقعات:-

واقعہ-1:

رفیق ایک خانگی ادارے میں معمولی ملازم ہے۔ بیوی دو بچے ہیں اس کا خوشحال خاندان ہے۔ رفیق کو بچپن ہی سے بچت کرنے کی عادت ہے۔ اس لئے اس کے گھر میں غیر ضروری اخراجات نہیں ہیں۔ رفیق کی بیوی بھی بہت کفایت شعار ہے۔ پھر بھی ہر معاملہ میں اس کی ٹانگ کھینچتی رہتی ہے۔ پڑوس سے تقابل کر کے شوہر کو یہ ہونا، وہ ہونا کہہ کر تنگ نہیں کرتی ہے۔
 رفیق اپنی آمدنی کا کچھ حصہ اپنے بچوں کی تعلیم کیلئے پوسٹ آفس میں رکنگ ڈپازٹ Recurring Deposit کرتے ہیں۔ اسی طرح ایل آئی سی آر گویہ بیہ لائف انشورنس وغیرہ لے کر ان کی اقساط بھی ادا کرتے آرہے ہیں۔ ان کا ايقان ہے کہ ضرورت کے وقت یہ پالیسیاں بڑی کام آتی ہیں۔ وہ چونکہ کچھ نہ کچھ پس انداز کرتے آرہے ہیں۔ اس لئے انہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پس انداز کی ہوئی ان کی یہ پونجی کل ان کے کام ضرور آئے گی۔

واقعہ نمبر 2:

کریم بھی ایک خانگی کمپنی میں ملازم ہیں۔ پانچ ہندسی تنخواہ۔ پیسے کی کوئی کمی نہیں۔ ان کی بھی ایک بیوی اور دو بچے ہیں۔ ان کے گھر میں کوئی فرد بھی بچت کا عادی نہیں۔ ہفتہ اور اتوار کے دوں میں ویک اینڈ پارٹی کے نام پر یا کسی بھی دعوت و قرافات پر پیسے بڑے بے دردی سے خرچ کرنا ان کا وطیرہ ہے۔ کوئی چیز ایسی نہیں جو ان کے گھر میں موجود نہ ہو۔ مارکٹ میں کوئی چیز آگئی تو بس یہ جھٹ سے خرید لیتے ہیں چاہے اس کی انہیں ضرورت ہو کہ نہ ہو۔ ہفتہ بھر میں وہ گھر پر کم اور باہر ہوٹلوں میں زیادہ کھاتے ہیں جس کی وجہ سے پیٹ میں تیز اہیت بڑھ جاتی ہے اور انہیں ڈاکٹر کے پاس جانا بھی پڑتا ہے۔ ان کے گھر میں سب کچھ ہوتے ہوئے بھی بوقت ضرورت کام آنے والا پیسہ ہی نہیں ہے۔ اچانک ایک مرتبہ ان کی بیوی بہت زیادہ بیمار ہوگئی اور نوبت آپریشن تک آن پڑی۔ اس آپریشن کیلئے انہیں 8 لاکھ درکار تھے۔ روپے پیسے کے لئے انہوں نے بہت زیادہ تک و دو دو کی لیکن بالآخر انہیں قرض لینا پڑا۔

ایسے کئی افراد ہمیں سماج میں نظر آتے ہیں۔ عیش و عشرت اور نام جھام پر بے انتہا خرچ کرنے کے بعد بنیادی ضروریات کی تکمیل کیلئے انہیں قرض لینا پڑتا ہے۔ اس قرض پر انہیں سود ادا کرنا ہوتا ہے۔ اور پھر یہ قرض سود کے ساتھ بڑھتے بڑھتے اتنا ہو جاتا ہے کہ ہم آء دن اخباروں میں قرض کے بوجھ تلے خودکشی کرنے والوں کی خبریں پڑھتے رہتے ہیں۔ ان واقعات سے ہمیں ”بچت کی اہمیت“ کا پتہ چلتا ہے۔

VI۔ (الف) سوچنا۔ رد عمل کا اظہار کرنا

- 1- مندرجہ بالا واقعات سے آپ نے کیا محسوس کیا؟ بیان کیجئے۔
- 2- مستقبل کیلئے ہمیں کیوں بچت کرنا چاہئے؟
- 3- مستقبل کیلئے ہم کن کن چیزوں کو بچا کر رکھ سکتے ہیں۔
- 4- آپ کیا کیا چیزیں بچا کر رکھتے ہیں؟ انہیں کس طرح محفوظ کرتے ہیں؟
- 5- فضول خرچ سے بچنا بجائے خود پس اندازی (بچت) ہے۔ اس پر اپنی رائے دیجئے۔
- 6- فضول خرچی کی چند مثالیں دیجئے۔
- 7- فضول خرچ سے متعلق کوئی واقعہ بتائیے۔
- 8- سادگی اور بچت میں کیا رشتہ ہے؟ بحث کیجئے۔
- 9- فرمانبرداری سے کیا مراد ہے؟ اس سے بچت کا کیا تعلق ہے؟

(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا۔

اس ایک ہفتہ آپ بچت کے اصولوں پر عمل کیجئے۔ کن کن چیزوں کی آپ نے بچت کی اور کتنی بچت کی؟ بچت کرتے ہوئے آپ نے کیسا محسوس کیا۔

جانے

جس طرح بوند بوند دریا بنتا ہے اسی طرح ایک ایک پیسہ جمع کیا جائے تو زندگی میں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ یہ وہ سچ ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ انگریزی کے مقولہ Save for a rainy day to make it also a sunny day (برسات کیلئے جمع کرو اور اسے بھی کام کا دن بناؤ) بھی ہمیں۔ بچت کی اہمیت کو سمجھاتا ہے۔ بچت پر ہر وقت توجہ نہ دی گئی تو زندگی میں بہت سی مصیبتیں آسکتی ہیں۔

عام بول چال میں بچت سے مراد وہ پیسہ ہے جسے ہم خرچ نہ کرتے ہوئے اٹھا کر رکھتے ہیں۔ معاشیات کی اصطلاح میں آمدنی میں صرفہ کے بعد بچ جانے والا حصہ بچت کہلاتا ہے۔ مزید وسیع تر معنوں میں خرچ کو کم کرنا بچت ہے۔

حالیہ دنوں میں اشیاء کی قیمتیں بے انتہا بڑھتی جا رہی ہیں۔ بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر یک عام آدمی کی ماہانہ آمدنی میں اضافہ نہ ہونے کے باوجود قیمتوں میں بہت زیادہ فرق آچکا ہے۔ ہمارا خرچ دن بدن بڑھتا جا رہا ہے لیکن کم نہیں ہو رہا ہے۔ کھانا پینا، کپڑے، علاج معالجہ، مکان کرایہ یا ٹیکس، بجلی کا بل، فون بل وغیرہ روز بروز بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ ان کے علاوہ بچوں کی تعلیم، دعوتوں، سیر و تفریح کے لئے اور پھر غیر متوقع بیماریوں و واقعات کیلئے ہمیں مسلسل کچھ نہ کچھ پس انداز کرتے رہنا چاہئے۔ پیسے کی ضرورت ہمیں آج سے زیادہ کل اور پھر کل سے زیادہ پرسوں ہوتی ہے۔ زندگی کی اس حقیقت کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہمیں بچت کرنی چاہئے۔ چاہے وہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو۔ نہ صرف بچت کریں بلکہ بچائے ہوئے ہر روپے کو محفوظ رکھیں۔ ہمیں صرف اپنے کھانے پینے اور رہائش پر ہی خرچ کرتے ہوئے اپنی باقی ماندہ آمدنی کو محفوظ کرنا چاہئے۔

ہندوستان میں بچت کو ایک عظیم تحریک میں بدلنے کیلئے پوسٹ آفسیس سخت محنت کر رہی ہیں۔ بچت کیلئے زیادہ سے زیادہ کھاتے کھلوانے کی ترغیب دینے کیلئے مرکزی حکومت ایوارڈس و ترغیبی انعامات بھی دے رہی ہے۔

نیشنل سیولٹس انسٹیٹیوٹ نے لوگوں میں بچت کی عادت ڈالنے کیلئے کئی ایک پرکشش اسکیمیں متعارف کی ہیں۔ بنکس بھی بچت کیلئے فلکسڈ ڈپازٹس اور میوچول ڈپازٹس جیسی اسکیمیں کی پیش کش کر رہی ہیں۔ ان کے علاوہ حکومت کی جانب سے جاری کئے گئے لائف انشورنس، ہیلتھ انشورنس وغیرہ جیسی اسکیمیں بھی بچت کے بہترین راستے ہموار کر رہی ہیں۔

بچت کرنے والا ہر شخص قومی زندگی کے دھارے میں بچت کے معاملے میں اپنے ذاتی قرض کی ادائیگی کے ذریعہ ملک کی ترقی میں اپنا حصہ ادا کر رہا ہے۔ بچت کھاتوں میں جمع ہونے والی چھوٹی چھوٹی رقمیں بلاشبہ ملک کی ترقی میں معاون ثابت ہو رہی ہیں۔ اس کا

مطلب یہ ہوا کہ ایک عام آدمی بھی اپنے کھاتوں میں جمع کی گئی رقم کے ذریعہ بلا واسطہ طور پر غربت کے ازالہ اور سماجی استحکام میں مدد کر رہا ہے۔

بچوں میں پیسے کی اہمیت کو اجاگر کرنے سے بہتر ہے ان میں بچت کے عادت کی ہمت افزائی کرنا۔

بچت کی خصلت انسان کی حفاظت کرتی ہے۔

اپنی آمدنی سے تھوڑا بہت خرچ کر کے باقی ماندہ بچا کر رکھنے والا انسان بے فکر ہوتا ہے۔ اس کا دل مضبوط ہوتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں ٹھہراؤ نظر آتا ہے۔ اس کی باتوں میں بے خوفی جھلکتی ہے۔ ملازمت میں ہو یا تجارت میں اگر کچھ اونچ نیچ ہو بھی جائے تو اوندھے منہ نہیں گرتا اور نا ہی حرکت قلب کے رک جانے سے اس کی موت واقع ہوتی ہے۔

فضول خرچ ہر میدان میں ناکام ہوتا ہے۔

اپنی دولت اپنے وقت اور اپنی توانائی کو پانی کی طرح خرچ کرنے والا زندگی میں کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ اتفاقی طور پر اگر کچھ دولت اس کے ہاتھ لگ بھی جائے تو وہ دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو جاتی ہے۔ ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر عیش و عشرت کی قربانی دے کر ان تھک محنت کرنے والے ہی عظیم رہنماء بنے ہیں اور دنیا میں تاریخ رقم کی ہے۔ ایک معاملہ میں لا پرواہ شخص دوسرے معاملہ میں بھی دلچسپی نہیں لے سکتا۔

اقوال زرین

- 1- بچت کرنے والے کا عمارت بنانا ایک حقیقت ہے تو سچائی یہ بھی ہے کہ خرچ کرنے والا منہدم ہو جاتا ہے۔
- 2- بچت انسان کو بچاتی ہے۔
- 3- فضول خرچ شخص۔ خالی ہاتھ ہوتا ہے۔

طرز زندگی

7

- I- اہم قدر : صحت کے اقدار
- II- ذیلی قدر : اچھی صحت کیلئے ورزش، کھیل کود اور یوگا آسن وغیرہ معاون ہوتے ہیں۔
- III- مقاصد، مطلوبہ نتائج: بچے نشاندہی کریں گے کہ صحت کیلئے ورزش، کھیل کود اور یوگا آسن وغیرہ معاون ہوتے ہیں۔ اس کے حصول کی وہ کوششیں کریں گے۔
- IV- تمہید : ہر شخص جسمانی و ذہنی طور پر چاق و چوبند ہو تو صحت مند کہلاتا ہے۔ اس قسم کی صحت کے حصول کیلئے ورزش و یوگا کرنا چاہئے اور کھیل کود میں حصہ لینا چاہئے۔ ان سے آدمی جسمانی طور پر تندرست بنتا ہے اور ذہنی طور پر کوئی بھی کام کر سکتا ہے۔ پر جوش انداز میں خوشی سے وہ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہو سکتا ہے۔ ورزش اور یوگا ہمیں باقاعدہ کرتے رہنا چاہئے۔

V- موضوع

واقعہ نمبر 1:

کلثوم اکثر و بیشتر سردی زکام اور سردرد میں مبتلا رہا کرتی تھی۔ لیکن اس کے دادا اس عمر میں بھی کافی تندرست اور چاق و چوبند ہوا کرتے تھے۔ ہر کام وہ بڑی آسانی سے و تیز رفتاری سے کیا کرتے تھے اور ہمیشہ ان کے چہرے پر مسکراہٹ ہوا کرتی۔ کلثوم نے اپنے دادا سے اس کا راز پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ان کے بچپن میں ان کا اسکول کافی دور ہوا کرتا تھا اور روزانہ چل کر جایا آیا کرتے تھے۔ یہی نہیں وہ کھیتوں میں اپنے والد اور گھر پر اپنی ماں کے کاموں میں ہاتھ بٹایا کرتے تھے اور صاف ستھری غذا لیا کرتے تھے۔ انہوں نے مزید کہا کہ آج کل کے بچوں کو اس قسم کی محنت کے مواقع نہیں ملتے جس کی وجہ سے ان کے جسم میں جمود پیدا ہوتا جا رہا ہے اور مختلف قسم کی بیماریاں انہیں آگھیر رہی ہیں۔ یہ بات کلثوم کے دل کو لگی۔ آج کے دور میں پڑھائی کے علاوہ کسی چیز پر دھیان ہی نہیں دیا جا رہا ہے۔ نہ ہی ورزش کے لئے لوگوں کے پاس وقت ہے اور نا ہی کوئی جسمانی کام کیا جا رہا ہے۔ مسابقت سے بھری اس دنیا میں والدین بھی جو اہمیت پڑھائی کو دے رہے ہیں وہ کھیل کود اور ورزش کو نہیں دے رہے ہیں۔ کلثوم کو محسوس ہوا کہ یہ کیفیت بدلنی چاہئے۔

واقعہ نمبر 2:-

ساجدہ اور ماجدہ دو بہنیں تھیں۔ ساجدہ مدرسے سے آتے ہی اپنی سہیلیوں کے ساتھ کچھ دیر کھیلا کرتی تھی۔ مگر ماجدہ کو کھیلنے کا بالکل شوق نہیں تھا۔ گھر پہنچتے ہی وہ ٹی وی دیکھتی یا پھر کہانیوں کی کوئی کتاب پڑھتی۔ اس دوران وہ کچھ نہ کچھ کھایا بھی کرتی تھی۔ کچھ عرصہ بعد ماجدہ کے جسم میں فاسد چربی کے بڑھ جانے کی وجہ سے وہ کافی موٹی ہو گئی۔ کوئی بھی کام کرتے وقت وہ بہت جلد تھک جایا کرتی اور اس کی سانس پھول جایا کرتی تھی۔ ڈاکٹر نے معائنہ کرنے کے بعد بتایا کہ اس کے اندر بیماریوں سے لڑنے کی صلاحیت گھٹ چکی ہے۔ ساجدہ اور ماجدہ ایک ہی گھر کے دو فرد ہیں مگر ان میں یہ فرق ان کے روزمرہ معمولات کا نتیجہ تھا۔ اس کے بعد ماجدہ بھی ساجدہ کے ساتھ مل کر کھیل کود میں حصہ لینے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے نہ صرف اس کے موٹاپے میں کمی آئی بلکہ وہ ہر کام میں پھرتی کے ساتھ حصہ لینے لگی۔

واقعہ نمبر 3:

رحیم اپنے استاد کا ایک فرمانبردار شاگرد ہے۔ وہ اپنے استاد کی مدد سے روزانہ ورزش کیا کرتا تھا۔ اس کا دوست حمید اسے ستایا کرتا تھا کہ وہ بہت جلد اکھاڑے کا پہلوان بن جائے گا۔ لیکن رحیم کے چہرے پر شکن تک نہ آئی۔ وہ ہمیشہ ہشاش بشاش چاق و چوبند دکھائی دیتا تھا۔ جماعت میں استاد کے پوچھے گئے ہر سوال کا جھٹ سے جواب دیا کرتا تھا۔ کبھی چڑچڑاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا کرتا تھا۔ بہت سے بچے اس سے دوستی کرنے کے خواہاں تھے۔ جب کہ دوسری طرف حمید صبح دیر سے بیدار ہوتا۔ ہمیشہ اس کے چہرے سے بیزاری جھلکتی۔ جماعت میں سو جایا کرتا اور ٹیچر کی باتیں سنا کرتا تھا۔ ہمیشہ وہ چڑچڑامزاج رہا کرتا۔ کوئی بھی لڑکا اس سے دوستی کرنا نہیں چاہتا تھا۔

VI۔ (الف) سوچنا۔ رد عمل ظاہر کرنا

- 1- پہلے واقعہ میں ’دادا‘ کے چاق و چوبند اور ہشاش بشاش رہنے کی کیا وجوہات ہیں؟
- 2- آج کے دور میں بچے اکثر مختلف بیماریوں کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ اس کی کیا وجوہات ہیں؟
- 3- کھیل کود کے فوائد بیان کیجئے۔ کھیل کود میں حصہ نہ لیں تو کیا ہوتا ہے؟
- 4- ورزش سے کیا مراد ہے؟ کیا آپ روزانہ ورزش کرتے ہیں؟ کس قسم کی ورزش کرتے ہیں؟
- 5- کیا آپ یوگا آسن کے بارے میں جانتے ہیں؟ کیا آپ میں سے کوئی یوگا آسن کر رہے ہیں؟ یوگا آسنوں سے ہمیں کیا فوائد ملتے ہیں؟
- 6- گذشتہ ہفتہ آپ نے کتنے گھنٹے کھیل کود میں، چہل قدمی میں اور گھومتے پھرتے میں گزارے ہیں؟
- 7- ہر روز شام 5 بجے سے 7 بجے تک مدرسہ میں کھیل کود کا وقت ہوتا ہے۔ کتنے بچے ان اوقات میں کھیل کود میں حصہ لے رہے ہیں۔ بحث کیجئے۔ صبح کے اوقات میں جاگنگ کرنا چاہئے۔ کیا آپ جاگنگ کر رہے ہیں۔

(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا

- 1- روزانہ صبح و شام ورزش اور یوگا آسن کیجئے۔ کرنے کے بعد آپ کیسا محسوس کریں گے۔ اپنے تجربات و احساسات بیان کیجئے۔
- 2- میدان میں اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر روزانہ کھیل کود میں حصہ لیجئے۔ کھیلنے کی وجہ سے آپ میں آنے والی جسمانی و ذہنی تبدیلیوں کے بارے میں بات کیجئے۔
- 3- گذشتہ کل صبح سے شام تک آپ نے کتنے گھنٹے بیٹھ کر گزارے؟ کتنے گھنٹے کھیل کود میں گزارے؟ اور کتنی دیر آپ نے گھومنے پھرنے میں گزارے؟

ورزش

- 1- مدرسے کی سطح کے طلباء۔ کھیل کود
- 2- کالج کی سطح کے طلباء۔ کھیل کود
- 3- 25 سے 30 سال کے درمیان عمر والے افراد۔۔۔ جاگنگ، تیراکی، سیکل چلانا اور یوگا آسن
- 4- 35 سال سے زائد عمر کے افراد: تیز رفتاری سے چلنا۔ ہر دن بلاناغہ ایک گھنٹہ ورزش

ورزش کے فوائد

- ☆ موٹاپہ کم کیا جاسکتا ہے۔ موٹاپے کا ازالہ کیا جاسکتا ہے۔
- ☆ بلڈ پریشر اور شوگر کنٹرول میں رہتے ہیں
- ☆ اینڈرٹنس نامی کیمیائی مادے کے دماغ میں پیدا ہونے کی وجہ سے طبیعت ہشاش بشاش رہتی ہے۔
- ☆ دل میں دباؤ جھیلنے کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔ جس کی وہ سے دل کا دورہ پڑنے Heart Attack کا خدشہ گھٹ جاتا ہے۔
- ☆ بڑی عمر کے لوگوں میں آنے والی آسٹیوپوروسیس نامی بیماری کا ازالہ کیا جاسکتا ہے۔ ہڈیوں، بافتوں اور جوڑوں کی طاقت بڑھتی ہے۔
- ☆ خون میں چربی کی مقدار گھٹتی ہے جس سے دل کے دورہ کو روکا جاسکتا ہے۔
- ☆ بیماریوں سے مزاحمت کرنے کی قوت بڑھتی ہے۔
- ☆ پھپھڑوں کی کارکردگی کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے جس سے تنفس کی بیماریاں کم کی جاسکتی ہیں۔
- ☆ روزمرہ کام میں تکان کم ہوتی ہے۔
- ☆ ہم میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ کام کرنے میں دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔

غذا۔ غذائی عادتیں۔

ہم ہر روز کھانے میں مندرجہ ذیل اشیاء کا استعمال کرتے ہیں۔

(الف)۔ اجناس سے حاصل ہونے والی اشیاء خورد و نوش

- | | | |
|-------------------|---|--|
| چاول | - | کھانا۔ دوسہ۔ اڈلی وغیرہ۔ |
| گیہوں | - | اپما۔ چپاتی وغیرہ |
| جوار، باجرا، مکئی | - | ہریرہ، روٹی و دیگر آٹے سے تیار کئے جانے والے پکوان |
| شکر | - | شربت۔ آٹے سے تیار کئے جانے والے پکوان |
| گرٹھ | - | پونگل، آٹے سے تیار کئے جانے والے پکوان |

(ب) دالیں۔ مونگ، تور، مسور، بٹانے۔ پھلی۔ وغیرہ۔

(ہ) ترکاریاں۔ پتے والی سبزیاں، ترکاریاں

(د) گوشت :- مختلف جانوروں اور پرندوں کا گوشت، مشروم، جھینگے، مچھلی، انڈہ وغیرہ

(ھ) چربی۔ مختلف قسم کے تیل۔ دودھ

ہمیں دن میں پانچ مرتبہ غذا لینی چاہئے۔

صبح 7 بجے - دودھ اور ہلکی غذا

صبح 11 بجے - ہلکی غذا۔ ناشتہ

دوپہر 1 سے 2 بجے کے درمیان - ظہرانہ۔ کھانا (دال چاول و ترکاریاں)

شام 4 سے 5 بجے کے درمیان - ہلکی غذا

رات 8 سے 9 بجے کے درمیان - کھانا

غذا میں ایک تہائی 1/3 حصہ پھل اور پھل والی ترکاریاں ہونی چاہئے۔

توانائی کی اخراج 1 گرام آٹے سے بنی غذا - 4 کیلوریس

1 گرام چربی - 9 کیلوریس

1 گرام گوشت والی غذا - 4 کیلوریس

توانائی کی ضرورت 50 کیلووونی شخص کے لئے درکار توانائی

آفس کے کام کیلئے - 1500 کیلوریس

جسمانی کاموں کے لیے - 2000 سے 3000 کیلوریس

ذیلی کاموں کے لیے - 2000 کیلوریس

جاے

اچھی صحت کیلئے ورزش، کھیل کود اور یوگا آسن بہت ضروری ہیں۔ پچھلے دور میں ہمارے آباد و اجداد موقع محل کے اعتبار سے غذا لیا کرتے تھے۔ زیادہ مسافت تک چلنا۔ بوجھ اٹھانا، زرعی کام و گھریلو کام وغیرہ کیا کرتے تھے۔ ہم نے کتابوں میں رسالوں میں پڑھا ہے کہ اس دور کے لوگ جسمانی ورزش و کام سے ہی بڑے لمبی عمر پایا کرتے تھے۔ یقینی نہ آئے تو اپنے بڑے بزرگوں سے ہی پوچھ لیجئے۔ وہ اپنے دور کی باتیں بتائیں گے۔ اس دور کے کھیل اور جسمانی کام لوگوں کی صحت کے شاہد ہیں۔

آج کا دور ایک مشینی دور ہے جس میں بچے۔ مدرسہ جاتے ہیں۔ مدرسہ گھر آتے ہیں، ہوم ورک وغیرہ کرتے ہیں۔ ان سے ذرا سی فرصت ملی تو وہ وقت TV دیکھنے میں گزار دیتے ہیں۔ بڑے لوگ بھی اپنے اپنے کاموں میں اس قدر منہمک ہیں کہ وہ اپنے بچوں کی صحت پر توجہ نہیں دے پارہے ہیں۔ اکثر لوگ ورزش ہی نہیں کرتے۔ باہر کسی کام سے جانا ہو تو پیدل چلنا نہیں چائے۔ بازار کا کام بھی وہ بائیک یا اسکوٹر سے جا کر کرتے ہیں۔ اسی لئے شوگر (شکر) جیسی بیماریاں ہمیں آگھیر رہی ہیں۔ یہاں تک کہ بچے بھی آج کل اس مرض میں مبتلا ہو رہے ہیں۔

جاگنگ کرنا عموماً ایک اچھی عادت ہے، سیکل چلانا اور تیراکی کرنا جسم میں چستی و پھرتی پیدا کرتے ہیں۔ ورزش سے نیند بھی بڑی اچھی آتی ہے۔ اگر نیند اچھی ہو تو ذہن بھی تیز کام کرتا ہے۔ ورزش کے کرنے سے ہمارے جسم سے جو پسینہ نکلتا ہے اس کے ذریعہ فاسد مادہ باہر آجاتا ہے اور خون صاف ہو جاتا ہے۔ یہی نہیں ورزش جسمانی صلاحیت بھی بڑھاتی ہے۔ طبیعت کو بحال کرتی ہے۔ وزن گھٹانے، دل کو تقویت پہنچانے اور ہم میں خود اعتمادی پیدا کرنے میں معاون ہوتی ہے۔ ورزش سے دماغ میں اینڈارفنس نامی مادہ پیدا ہوتا ہے جس سے طبیعت ہشاش بشاش رہتی ہے۔ دوران خون میں بہتری آتی ہے جس سے یادداشت پر قابو رکھنے والے اعضاء تقویت پاتے ہیں۔ تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ ورزش کرنے والوں میں یادداشت اور یکسوئی بدرجہ اتم ہوتی ہے جس سے انہیں صحیح فیصلے کرنے میں مدد ملتی ہے، اپنے مقاصد کے حصول میں وہ بے انتہا محترمک ہوتے ہیں۔

جب بھی ہم بیمار ہوتے ہیں تو جسمانی مرض کا علاج کرواتے ہیں مگر اپنی طبیعت کی طرف سے ہم لاپرواہ ہو جاتے ہیں۔ سائنس کہتی ہے کہ اچھی صحت میں طبیعت کا بھی بڑا عمل و دخل ہے۔ یوگا صحت و طبیعت کو مساوی اہمیت دیتا ہے۔ آج کے دور میں اس کی شدید ضرورت ہے۔ اس سے طبیعت کو سکون ملتا ہے۔ یوگا میں چھوٹے بڑے بوڑھے و جوان میں فرق نہیں ہوتا۔ دواؤں سے جو فائدہ نہیں ملتا وہ فائدہ ہمیں یوگا سے ملتا ہے۔ یوگا انسان کے رویہ، نکتہ نظر، خیالات و طرز زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ یوگا ایک قدیم سائنس ہے۔ ان دنوں بہت سے مدرسوں اور کالجوں میں یوگا سکھایا جا رہا ہے۔ بڑے لوگوں کیلئے اور ملازمتیں کیلئے بھی یوگا کی کلاسیس چلائی جا رہی ہیں۔ TV میں بھی رام دیو بابا جیسے یوگا گرو عوام کو یوگا میں تربیت دے رہے ہیں۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ ماں باپ اور ساتھ بھی بچوں کو پڑھائی کے نام پر کھیل کود سے دور رکھتے ہیں۔
 چند اسکولس تو ایسے ہیں جہاں بچوں کو کھیلنے کیلئے میدان تک میسر نہیں ہیں۔
 چند بچے ساکت رہتے ہیں کھیل کود میں حصہ نہیں لیتے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ کھیل کود بھی ورزش ہی ہے۔ بچوں کو کھیلوں سے
 جسمانی و ذہنی خوشی ملتی ہے۔ ان سے شوگر (شکر) کی بیماری، دمہ، کمردرد، جوڑوں کا درد اور جلدی بیماریوں وغیرہ کی روک تھام کی جاسکتی
 ہے۔ مراقبہ (Meditation) سے طبیعت کو قابو میں رکھا جاسکتا ہے۔

قول زرین: حفظانِ صحت کے اصولوں پر عمل کریں صحت مند زندگی گزاریں

قدرتی ماحول سے محبت

8

I- اہم قدر

: رسم و رواج

II- ذیلی قدر

: قدرتی ماحول سے محبت پیدا کرنا

III- مقاصد، متوقع نتائج

:

☆ قدرتی ماحول کی حفاظت کرنے سے ہم خوشحال زندگی گزار سکتے ہیں۔ جان لیں گے۔ قدرتی ماحول سے محبت پیدا کر کے قدرتی ماحول کی حفاظت کرنے کی کوشش کریں گے

IV- تمہید

: ہم تمام قدرتی ماحول کے گود میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ قدرتی ماحول سے مراد درخت، پہاڑ، ندیاں، سمندر، پرندے، جانور، حشرات وغیرہ۔ اس قدرتی ماحول کا ہم بھی ایک حصہ ہیں۔ اوپر بیان کئے گئے تمام ہماری زندگی کیلئے بہت ہی مدد کر رہے ہیں۔ قدرتی ماحول کو پرندے خوبصورتی دیتے ہیں۔ پرندوں کا سہارا درخت ہیں۔ پرندوں کو ہی نہیں تمام جانداروں کا سہارا درخت ہیں۔ ان کے ذریعہ ہم کو زندگی کی سانس حاصل ہوتی ہے۔ پھل، پھول، لکڑی اور ادویات وغیرہ درخت فراہم کرتے ہیں۔ اسی طرح ندیاں اور پہاڑ ہم کو بہت فائدہ پہنچاتے ہیں۔

بچو! پھر یہ قدرتی ماحول کا تحفظ کریں گے تو کیا ہم خوشحال رہ سکتے ہیں؟ کیوں؟

قدرتی ماحول ہم کو بہت سکون فراہم کرتا ہے۔ قدرتی ماحول سے ہم کو نہ ٹوٹنے والا رشتہ ہے۔ قدرتی ماحول سے ہم کو کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ لہذا ہم قدرتی ماحول سے محبت سے پیش آنا چاہئے۔ قدرتی ماحول سے ہم محبت بڑھا لینا چاہئے۔ اس طرح قدرتی ماحول سے محبت رکھنے والے دوستوں کی کہانی جان لیجئے۔

V۔ واقعات:-

واقعہ:-1:

رحیم اور شاہد جگری دوست ہیں۔ رحیم کو درختوں سے بہت محبت ہے۔ شاہد کو نفرت ہے۔ رحیم اپنے گھر میں آم کا درخت، کاجو کا درخت اور ناریل کا درخت لگا کر روزانہ پانی سپینچ کرا فرمائش کرنے والا تھا۔ شاہد کچھ بھی کئے بغیر آوارہ پھرنے والا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ بڑے ہو گئے۔ درخت بھی بڑے ہو گئے۔ پھول کھل کر پھل ہونا شروع ہوئے۔ رحیم اور اس کے گھر والے روزانہ ان پھلوں کو استعمال کر رہے تھے۔ بے چارہ شاہد روزانہ ان درختوں کی جانب دیکھتے ہوئے۔ پھلوں کو دیکھ کر لپچانے لگا۔ اس کے منہ میں پانی آنے لگا۔ لیکن پھلوں کو توڑنے کا موقع نہیں دیتا تھا۔ ہائے میں بھی رحیم کی طرح اس دن درخت بوتا تو آج میں بھی پھلوں کو استعمال کر سکتا تھا! موسم گرما میں چھاؤں حاصل ہوتی! سمجھتے ہوئے تکلیف محسوس کیا اس وقت سے وہ بھی درختوں کو اگانا شروع کیا۔

جانور اور پرندے قدرتی ماحول کی بہت ہی مدد کر رہے ہیں۔ تالاب کی مچھلیاں، پانی میں پائی جانے والی گندگی کو کھا کر پانی کو صاف کرتے ہیں۔ گائے ہم کو دودھ دیتی ہیں۔ گائے کا گوبر ہم کو کھاد کی طرح استعمال کرتے ہیں۔ قدیم زمانے میں خطوط بھیجنے کیلئے کبوتروں کو استعمال کرتے تھے۔ گھوڑوں کو حمل و نقل کے ذرائع کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ بیلوں سے کھیت میں ہل چلانا اور نیل گاڑی کو کھینچنا جیسے کام لیتے ہیں۔ ایک ہی کیا؟ قدرتی ماحول میں پائے جانے والے تمام کسی بھی ایک طرح سے مدد کرتے ہی رہتے ہیں اسی لئے ہمارے بزرگوں نے قدرتی ماحول کو ماں کی طرح کہا ہے۔ قدرتی ماحول میں پائے جانے والے جڑی بوٹیاں ہمارے کئی بیماریوں میں دوا کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ اس طرح قدرتی ماحول کا تحفظ کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

VI (الف)

- (1) قدرتی ماحول سے کیا مراد ہے؟
- (2) قدرتی ماحول سے محبت کرنے سے آپ کیا مطلب ہے؟
- (3) کون کونسے کام کرنے سے قدرتی ماحول سے محبت کرنے والے کہلائیں گے؟
- (4) قدرتی ماحول سے محبت نہ کرنے پر ہم خوشحال زندگی گزار سکتے ہیں؟ کیوں؟
- (5) ہمارے ملک میں قدرتی ماحول سے محبت کرنے والے مواقعوں کو بیان کیجئے؟
- (6) قدرتی ماحول سے محبت کو کیوں بڑھانا چاہئے؟
- (7) قدرتی ماحول سے بہت نہ ہونے کے چند مثالیں دیجئے؟

ب) عمل کرنا۔ تجربات کا تبادلہ خیال کرنا:

- (1) قدرتی ماحول میں حصہ دار بننے والے درخت، ندیاں، پرندے اور جانوروں سے محبت کیجئے۔ ان سے محبت کرنے سے آپ کو حاصل ہونے والے تجربات کو بیان کیجئے۔
- (2) ہندوستانی تہذیب میں عناصرِ خمسہ یعنی ہوا، پانی، زمین، آسمان اور آگ۔ ہم ان کو قدرتی نظر سے دیکھتے ہیں۔ محبت کرتے ہیں۔ ہماری زندگی میں ان کی کیا اہمیت ہے؟ ان کو قدرتی نظر سے کیوں دیکھنا چاہئے۔

جانئے:

ہمارے ملک کی عوام قدرتی ماحول کی اہمیت کو جاننے کی وجہ سے قدرتی ماحول کے عناصرِ خمسہ کی قدر کرتے تھے۔ قدرتی ماحول کا ایک حصہ سورج چمکتے ہوئے کسی قسم کا امتیاز کئے بغیر سب کو روشنی اور حرارت دیتا ہے۔ دروازے بند رکھنے والے اندھیرے ہی میں رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح تصوف کو ہمارے دل میں مدعو کر کے دل کو منور کر لینے والے ہم ہی ہیں۔ جو کھڑکیوں کے دروازے کھلے رکھتا ہے اسی کو روشنی حاصل ہوتی ہے۔

یدونام کے ایک راجہ کو ایک جنگل میں بسنے والے ایک رشی سے ملاقات کا موقع ملا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ رشی بہت علم والا اور عقلمند ہے۔ لیکے جنگل میں رہتے ہوئے وہ نئے علم کو کیسا حاصل کیا راجہ تعجب میں پڑ گیا۔ یہ تمام باتوں تم نے کیسے معلوم کیا۔ 24 اساتذہ مجھے مکمل پڑھائیے ہیں رشی جواب دیا۔ اس جنگل میں اتنے اساتذہ؟ تعجب میں پڑ کر راجہ نے پوچھا کہ وہ اساتذہ کون ہیں۔ قدرتی ماحول میں پائے جانے والے عناصر کے نام بتا کر وہ ہر ایک اس کو کس طرح پڑھائے وہ رشی واضح طور پر کہا۔

مثلاً:

ہوا: اچھی بو اور بدبو سے ہوا جس طرح متاثر نہیں ہوتی اسی طرح ایک علم والا بھی اچھے یا خراب اشیاء سے متاثر نہیں ہونا چاہئے

پہاڑ: پہاڑ کی طرح ہر ایک برائی کے خلاف بڑھ کر اچھی طرح بلند و ثابت قدم رہنا چاہئے۔

پانی: پانی کی طرح ہم میل سے پاک، صاف، میٹھا اور سکون دلانے والے کی طرح رہنا چاہئے۔

درخت: بدلہ کی امید نہ کرتے ہوئے ہمیشہ مثالی بن کر رہنے کا ہم کو درخت درس دیتے ہیں۔

چاند : مشکل وقت میں دوست کی ضرورتوں کو محسوس کرنا چاہئے کہتا ہے۔
 آگ : ہمت خود سے مزاحمت والی صفات پائی جانی چاہئے۔ تمام برائیوں کو صاف کرنے کا درس دیتی ہے۔
 سمندر: خاموشی سے بغیر حرکت کئے ہوئے مکمل عمل کے ساتھ حد سے آگے نہ بڑھتے ہوئے رہنے کا درس دیتا ہے۔
 مٹی : اچھی باتوں کو جذب کرتے ہوئے دل کو کھلا رکھنے کا درس دیتی ہے۔
 ستارہ : ستارہ کی طرح اعلیٰ اقدار کو عمل میں لاتے ہوئے اندھیرے (مشکل وقت) میں بھی چمکتے ہوئے رہنا چاہئے سیکھ لیں گے۔

شہید کی مکھی: وہ پھولوں میں پائے جانے والے شہد کو جمع کرنے کی طرح ہم بھی تمام سے خلاصہ کو اخذ کر کے قبول کر لینا چاہئے۔
 خدا قدرتی ماحول میں ان تمام کو پیدا کیا۔ لیکن انسان کو عقل دے ان تمام سے سیکھنے کی صلاحیت دیا وہ رشی اس راجہ سے کہا۔
 مندرجہ بالا کہانی سے قدرتی ماحول سے کئی باتیں سیکھ سکتے جان لیجئے۔ اسی لئے ہم قدرتی ماحول سے قدر کرنا چاہئے۔ حفاظت کرنا چاہئے۔ قدرتی ماحول سے محبت بڑھا لینا چاہئے۔ اسی قدیم لوگ درختوں کو نہ کاٹتے ہوئے ان کی حفاظت کیا کرتے تھے۔ ندیوں کو آلودہ ہونے نہیں دیتے تھے۔ جانوروں کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچاتے ہوئے آج بھی جانوروں سے محبت، رحم، مہربانی دکھاتے ہوئے ان کی حفاظت کی جاتی ہے۔ ہم بھی قدرتی ماحول کا ایک حصہ ہی نہیں۔ لہذا قدرتی ماحول کی قدر کرتے ہوئے ان کی حفاظت کریں گے۔ مستقبل میں آنے والی نسلوں کو آرام سے اس ماحول کی خوبصورتی کا مزہ لینے ہوئے خوشحال زندگی گزارنے کے راستہ کو آسان کر دیں گے۔

قول: قدرتی ماحول کا تحفظ کرنا ہر شہری کی ذمہ داری ہے۔ قدرتی ماحول کی قدر۔ ترقی کا تدبیر

آلودگی کی روک تھام

- I- اہم قدر : ماحولیات
- II- ذیلی قدر : ہوائی آلودگی کے بارے باشعور ہونا۔
- III- مقاصد متوقع نتائج : ☆ ہوا کی اہمیت کو جان جائیں گے۔
☆ ہوائی آلودگی کس طرح ہوتی ہے جائیں گے۔
☆ ہوائی آلودگی کی روک تھام کیلئے کوشش کریں گے۔
- IV- تمہید : زندہ رہنے کیلئے ہوا پانی اور غذا اہم ہیں۔ غذا کے بغیر ہم چند دن زندہ رہ سکتے ہیں۔ پانی کے بغیر دو تین دن زندہ رہ سکتے ہیں۔ لیکن ہوا کے بغیر چند منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ ہم سانس کے ذریعہ لینے والی آکسیجن کو زندگی کی ہوا کہا گیا ہے۔ جدیدیت کے نام پر ہونے والی ترقی بڑھنے والی ضروریات کی وجہ سے ہوائی آلودگی بڑھ گئی ہے۔ اگر اس کو روکا نہیں گیا تو مستقبل مے ہوا کو بھی خریدنا پڑے گا۔ زندگی گزارنا ہی مشکل ہوگا۔ اب ہم ہوائی آلودگی کس طرح ہو رہی ہے معلوم کر لیں گے۔

V- واقعات :-

واقعہ 1:

راسیہ پالم ایک کچھڑا ہوا دیہات ہے۔ اس دیہات میں ایک مجاہد آزادی رہتا تھا۔ وہ اپنے دیہات کو خوبصورت قدرتی خوبصورتی کے برابر تیار کرنا چاہا۔ دیہات میں سب کی مدد سے ہر گھر کو پھولوں کے پودوں اور درختوں سے خوبصورتی سے سنوار دیا۔ دیہات کے خالی جگہ درختوں سے بھر گئیں۔ پہاڑوں پر نہروں کے کنارے سڑکوں کے کنارے درختوں اچھی افزائش کیا۔ اس دیہات میں کوئی بھی ایندھن جلنے والی گاڑیوں کو استعمال نہیں کرتا۔

سیکل، بیل گاڑی اور ٹانگوں کو استعمال کرتے ہیں۔ صبح ہی ورزش کرنا، یوگا کرنا، مصنوعی کھاد کے ذریعہ پیدا کردہ اشیاء کو استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح کی طرز زندگی کو عادتیں بنالینے سے اس دیہات کے عوام صحت مندی سے خوشحال زندگی گزار پارہے ہیں۔ شہر میں رہنے والا ایک شخص امراض تنفس کی تکلیف سے ڈاکٹر سے ملا۔ ڈاکٹر نے اس کی تشخیص کر کے کسی بھی قسم کے دوائیاں نہ لکھتے ہوئے دو مہینے راجیہ پالم دیہات میں گزارنے کیلئے کہا۔

واقعہ:-2

ناگوارم دیہات کے عوام معاشی ترقی حاصل کرنا، معاشی ترقی حاصل کرنے پر ہی آرام سے زندگی گزار سکتے ہیں سمجھ کر وہم میں پڑ گئے اسی لحاظ سے ان کے خیالات تبدیل ہو گئے۔ کاغذ کی مل والے زیادہ پیسے دینے سے دیہات کے اکثر افراد اپنے گھر میں کھیتوں میں موجود درختوں کو کاٹ کر فروخت کر دیئے۔ کسان کیمیائی کھاد استعمال کر کے زیادہ فصل کی پیداوار کر کے زیادہ پیسے کمانا شروع کئے۔ دیہات میں موجود ہر ایک فرد اپنا عہدہ بتانے کیلئے خوبصورت سمنٹ کے گھر تعمیر کر لیئے۔ ریفریجریٹر، کار اور بائیک خرید لیئے۔ محنت سے بہت کمانے والے۔ وہ دیہات پورا گاڑیوں سے مشینوں سے اور صنعتوں سے بھر گیا۔ درخت کم ہونے کی وجہ سے موسم گرما ہوا کوئی اور موسم ہو پیکھا چلنے کے باوجود گرمی ہوتی تھی۔ کچھ نہیں کر کے گھروں میں اور دفاتروں میں اسی استعمال کرنا شروع کر دیئے۔

اس طرح کچھ سال گزرے۔ اس دیہات میں کچھ افراد امراض تنفس سے اور کچھ لوگ پھیپھڑوں کے مرض سے کینسر سے اور کچھ لوگ دمہ کی بیماری سے تکلیف اٹھانا شروع ہو گیا۔ ڈاکٹر سے ملاقات کرنا ہر مہینہ ہزاروں روپے خرچ کرنے پر بھی ان کی بیماریاں کم ہونے کا نام نہیں لیتیں بیماری سے تکلیف اٹھاتے ہوئے کچھ بھی کام نہ کر سکنے کی وجہ سے کمائی نہ ہونے کی وجہ سے معاشی مسائل سے دوچار ہوئے۔ گھر میں موجود ایک درخت چارے سی کے برابر ہے۔

VI-الف) عور کرنا۔ رد عمل ظاہر کرنا:

- 1) ڈاکٹر نے امراض تنفس سے تکلیف اٹھانے والے شخص کو کیوں رامیا پالم دیہات میں دو مہینے گزارنے کیلئے کہا؟
- 2) رامیا پالم دیہات کی آپ کے دیہات کو سنوارنے کیلئے آپ کس طرح کی کوشش کریں گے؟
- 3) خوشحال اور صحت مند زندگی گزارنے کیلئے دولت کافی ہے کیا؟ اور کیا ہونا چاہئے؟
- 4) ہوائی آلودگی کو روکنے کیلئے کیا کیا کرنا چاہئے؟
- 5) دیہات درختوں سے ہر ابھر اور ٹھنڈا خوشنما دکھائی دینے کیلئے ہم کو کیا کرنا چاہئے؟
- 6) درخت کے نیچے بیٹھنے پر سکون رہتا ہے؟ کیوں؟
- 7) ہوائی آلودگی سے آنے والی بیماریوں پر بحث کیجئے۔

ب) عمل کرنا۔ تجربات کا تبادلہ خیال کرنا:-

1- آپ کے محلہ والوں کے ساتھ مل کر درختوں کو گائیے۔ گاڑیوں کو کم استعمال کیجئے۔ آپ کے حاصل کردہ تجربات کو بیان کیجئے۔

جانئے:

ماحول اور صحت کا باہمی رشتہ:

ماحول اور انسانی صحت کا ایک دوسرے سے رشتہ جڑا ہوا ہے۔ انسان صحت مند رہتا ہے تو اپنے ماحول کا اثر بہت زیادہ رہتا ہے۔ مقامی اعتبار سے صحت مندانہ ماحول تیار کرنے پر ہی انسان عالمی صحت کے بارے میں سوچ سکتا ہے۔ اس زمین پر انحصار کرتے ہوئے زندگی گزارنے والوں کو اچھا پانی، غذا اور مکان چاہئے تو صحت مند ماحول ہونا چاہئے۔ غیر صحت مندانہ حالات پیداوار کو کم کرتے ہیں۔ یہ عمل ماحول کی تباہی پر اثر انداز ہوتا ہے۔

زندگی کیلئے ضروری ہوا آلودہ ہونے سے آلودہ کرنے والے گیسس، خوردبینی اجسام گرد وغبار انسانی جسم میں داخل ہو کر جسم کے دفاعی نظام کو آہستہ آہستہ کمزور کر دیتے ہیں۔ اس وجہ سے قوت مدافعت کم ہو کر کئی قسم کے تنفس سے متعلق بیماریاں، دل سے متعلق بیماریاں لاحق ہو رہی ہیں۔ ہر انسان کو روزانہ اوسطاً 15 کلو ہوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ پانی اور غذا نہ ہو تو انسان کچھ عرصہ تک زندہ رہ سکتے ہیں۔ لیکن ہوا نہ ہو تو چند منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ قوت مدافعت کم پائی جانے والے بچوں، ضعیفوں اور ماں کے پیٹ میں موجود بچوں پر ہوائی آلودگی کا اثر زیادہ رہتا ہے۔ صنعتوں، حمل و نقل کے اداروں، زراعتی اور گھر سے متعلق کاموں کی وجہ سے ہوا بہت زیادہ آلودہ ہوتی ہے۔ عالمی ادارہ صحت کے اندازے کے مطابق کروڑوں انسان خطرناک مائع سلفر ڈائی آکسائیڈ اور باریک سے باریک گرد کے ذرات سے حد سے زیادہ خطرات کا شکار ہو رہے ہیں۔ گھروں میں پکوان کی لکڑی، گوبر کی اپلیاں اور کونکہ کو بطور ایندھن استعمال کرنے سے گھروں ہوا نکلنے کا صحیح انتظام نہ ہونے کی وجہ سے ترقی پذیر ممالک میں خواتین اور بچے ہوائی آلودگی سے متاثر ہو رہے ہیں۔ عالمی ادارہ صحت کے مطابق ہر انسان کو روزانہ برتنے کیلئے 50-40 لیٹر پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ پینے کیلئے گھر کیلئے پانی اور انفرادی کاموں کی ضرورت کیلئے یہ پانی اکثر انسانوں کو حاصل نہیں ہے۔ چند ممالک میں پانی اٹھا کر پیدل چلتے ہوئے لانے کیلئے زیادہ وقت دینا پڑ رہا ہے۔ چند مقامات پر محفوظ پانی ملنا بہت مشکل ہو رہا ہے۔ معیاری پانی سربراہ کرنا بہت ہی اہم ہے۔ آلودہ پانی میں مختلف بیماریوں کو پھیلانے والے جراثیم بخار، اسہال، خون کی کمی اور یرقان وغیرہ کئی بیماریوں کو لاحق کر رہے ہیں۔

اگر پانی میں فلورائیڈ کی مقدار بڑھ جائے تو ہڈیاں کمزور ہو جاتی ہیں اور دانتوں کی بیماری اور جوڑوں کے درد وغیرہ آنے کے امکانات ہوتے ہیں۔ پانی کی سربراہی کے لئے استعمال کیے جانے والے پائپ لائن کی وجہ سے ہی پانی آلودہ ہو جاتا ہے۔ پارہ جلائے ہوئے مشروبات کے استعمال سے ہم بینائی میں کمی سماعت میں کمی اور دماغی کمزوری جیسے امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ نائٹروک ترشہ ملے ہوئے پانی کے استعمال سے بیماریوں سے لڑنے کی صلاحیت گھٹتی ہے جس سے بچوں کی اموات میں اضافہ ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ آرسینک کرومیئم کے پانی میں مل جانے سے جگر اعصاب، گردے، پھپھڑوں اور معدہ سے متعلق بیماریاں آسکتی ہیں۔

قدرتی ماحول کا تحفظ سب کی بھلائی:-

قدرتی ماحول کے حفاظت نہ کرنے کے باعث آب و ہوا میں تبدیلی، مانسون میں کمی، شدید درجہ حرارت، بارش کی کمی یا بارش کی زیادتی جیسے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ ماحولیات کے بغیر انسانی بقاء ممکن نہیں ہے۔ انسان ماحولیات پر انحصار کرتا ہے۔ آفات ماحولیات انسان کی اپنی پیدا کردہ ہیں۔ آبادی میں اضافہ شہر کاری، جنگلات کی تباہی اور ایک قطرہ پانی جذب ہونے کیلئے جگہ نہ چھوڑنا وغیرہ انسان کی غلط کاریاں ہیں۔ کانچ اور اسٹیل کے گلاس کی جگہ ڈسپوزل گلاسیس، پلاسٹک کپ، اسٹیروفوم نامی تھرماکول کے بنائے ہوئے گلاسوں کے استعمال کرنے کی وجہ سے انہیں جب کوئی گرم چیز ڈالی جاتی ہے تو ان کے اندر موجود پالسٹریس نامی مادہ ہمارے جسم میں داخل ہو کر مختلف قسم کے کیا نسر پیدا کرتا ہے۔ پلاسٹک سا لہا سال تک مٹی میں نہیں گھلتی۔ اگر اسے جلا دیا جائے تو اس سے خارج ہونے والی کیمیائی گیس ہوا کو آلودہ کر دیتی ہیں۔

آج تقریباً ہر گھر میں اور ہر کار میں A/C پایا جاتا ہے اس A/C سے خارج ہونے والے کلوروفلور کاربن درجہ حرارت میں بے تہاشہ اضافہ کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے ندیاں سوکھ رہی ہیں اور گرم ہواؤں کے باعث مانسونی ہوائیں صحیح وقت پر نہیں چل رہی ہیں۔ اگر ایسا ہی رہا تو مستقبل قریب میں پینے کے پانی کی بڑی قلت ہوگی۔ ہمارے ملک میں تو ابھی سے کئی گاؤں میں پینے کے پانی کیلئے کئی کئی کلومیٹر دور چلنا پڑتا ہے۔ یہ ایک بھارت ہی کا مسئلہ نہیں بلکہ دنیا کے بیشتر ممالک اس مسئلہ سے دوچار ہیں۔

گرین ہاؤز گیسوں کے حجم کو کس طرح کم کیا جائے۔ اوزون پرت کو کیسے بچایا جائے؟ کینسر کی روک تھام کس طرح کی جائے؟ کیمیائی کھاد کا استعمال کئے بغیر فصلیں ترکایاں اور پھل کس طرح پیدا کی جائیں جسے نکات پر خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

سطح سمندر کا 3.5 سے 34 انچ تک آگے آجانا اور زیر زمین پانی کھارہ ہو جانا جیسے دو بڑے مسائل بھی ہمارے سامنے ہیں۔ ان تمام غلط اثرات کی نشاندہی کر کے صحیح ڈھنگ سے اگر ہم ان مسائل کو حل کریں گے تو ہم اپنے ملک کو بچا سکتے ہیں۔ پوری دنیا کو بچا سکتے ہیں اور اپنے ماحول کو بچا سکتے ہیں۔

قول زریں: آلودگی کو روکو۔ ماحولیات کو بچاؤ

بدلاؤ

10

- I- اہم قدر : سائنسی رجحان
 II- ذیلی قدر : بدلاؤ کو تسلیم کرنا، تنقید کو قبول کرنا۔
 III- مقاصد، مطلوبہ نتائج: اپنے کئے ہوئے کام پر دوسروں کی رائے کو مثبت انداز میں قبول کرنے کے عادی نہیں گے۔
 IV- تمہید : ہر کوئی اپنے کئے ہوئے کام کے تعلق سے اپنی خود کی ایک رائے رکھتا ہے کہ وہ کیسا تھا۔ عام طور پر اپنے کام کو لوگ اچھا ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن جب اس پر کوئی دوسرا اپنی رائے دیتا ہے تو ہمیں چاہے کہ اسے مثبت انداز میں لیں۔ اگر ہم اووروں کے مشوروں کو خاطر ہی میں نہ لائیں تو نتائج میں الٹ پھیر بھی ہو سکتا ہے۔ آئیے ذرا ذیل میں درج واقعات کو ملاحظہ کریں۔

-V

واقعہ نمبر 1:

ندیم کی بڑی تمنا تھی کہ ایک اچھا مصنف بن کر خوب نام کمائے۔ اور اس کے لئے وہ کچھ نہ کچھ لکھتا بھی رہتا تھا۔ ایک دن اخبار میں اس نے ایک اشتہار دیکھا کہ عید الفطر کے موقع پر کہانیوں کا مقابلہ رکھا گیا ہے۔ ندیم نے اس موقع کا بھرپور فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے تہہ کیا کہ ایک بہترین کہانی لکھ کر اس مقابلہ میں حصہ لے تاکہ ساری ریاست میں اس کا نام ہو۔ اس امید سے اس نے ایک اچھی سی کہانی لکھی اور ادارے کو بھیجنے کی تیاری کرنے لگا۔ تب ہی اسے خیال آیا کہ پوسٹ کرنے سے پہلے کیوں نہ ایک بار اسے اپنی بیوی کو بھی سنا دے۔ بیوی نے پوری کہانی سننے کے بعد کہا کہ کہانی تو بہت اچھی ہے لیکن عصری نہیں ہے۔ آج کل کی عام کہانیاں ایسی ہی لکھی جا رہی ہیں۔ یہ بات ندیم کو بری لگی۔ اس نے بیوی کہا، میں تمہیں سننے کیلئے کہانہ کہہ رہا تھا کہ رائے دینے کیلئے۔ اسے ایسا ہونا چاہئے یا اسے ویسا ہونا چاہئے۔ ان تمام باتوں کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ کیا میں نہیں جانتا کہ کہانی کیسی ہونی چاہئے۔ بہر حال اس نے کہانی بغیر کسی تبدیلی کے پوسٹ کر دی۔

چند دنوں کے بعد ندیم کی لکھی کہانی ادارے کی طرف سے جوں کی توں حالت میں ایک نوٹ کے ساتھ واپس آگئی جس میں لکھا تھا کہ آپ کی کہانی منتخب نہیں ہو سکی کیونکہ یہ عصری حالات پر مبنی نہیں پائی گئی۔ اسی لئے آپ کی کہانی واپس کر دی جاتی ہے۔ ندیم یہ نوٹ پڑھ ہی رہا تھا کہ اس کی بیوی وہاں آئی اور دریافت کیا کہ کس کی چھٹی ہے۔ ندیم نے اسے بتایا کہ تمہاری بات بالکل درست تھی۔ کاش میں نے تمہاری رائے مان کر اپنی کہانی حالات حاضرہ پر لکھی ہوتی تو بہتر ہوتا۔

واقعہ نمبر 2:

شبانہ اس مدرسے کی ذہین طالبہ تھی۔ وہ بہت حرکیاتی بھی تھی۔ اسی لئے تمام ٹیچرس اسے بہت پسند کرتے تھے۔ لیکن اس کا ایک دوسرا رخ بھی تھا۔ وہ ایک شریر لڑکی تھی۔ ہمیشہ کسی نہ کسی کو رولایا کرتی تھی۔ ہر کسی کو چڑاتی اور ستایا کرتی تھی۔ اس لئے بہت سے بچے اس سے خود کو بچا کر نکل جایا کرتے تھے۔ اس کی سہیلی رخسانہ نے اسے بار بار سمجھایا کہ وہ ایسا نہ کرے کیونکہ اس سے دوسروں کو ٹھیس پہنچ رہی ہے۔ لیکن شبانہ کے کان پر جوں تک نہ رہتی۔

ایک دن حسب معمول شبانہ کسی لڑکے کو ستا رہی تھی کہ اس لڑکے کا پیر پھسلا اور وہ گر پڑا۔ اس کے سر پر زخم آیا۔ جب اس لڑکے کے باپ کو معلوم ہوا تو وہ فوری مدرسہ دوڑے دوڑے آئے۔ شہانہ ڈر کے مارے کانپ گئی۔ پتہ نہیں اب وہ کیا کہیں گے؟ اسے کتنی باتیں سننی پڑیں گی؟ لیکن اس کی سوچ کے برعکس اس لڑکے کے والد شبانہ کے قریب آئے اور بڑی نرمی سے کہا ”دیکھو بیٹے! بچوں کو مل جل کر ہنسی خوشی کھیلنا چاہئے۔ ایسے ایک دوسرے کو نہیں ستانا چاہئے۔ شبانہ کو حیرت ہوئی اس نے اتنی بڑی غلطی کی لیکن لڑکے کے والد نے اس پر کوئی غصہ نہیں کیا۔ اسے احساس ہونے لگا وہ بے وجہ دوسرے بچوں کو رلاتی رہی۔ سب نے اتنی بار سمجھایا مگر اس نے اپنا رویہ نہیں بدلا۔ اس نے طے کیا کہ اب وہ سب کے ساتھ مل جل کر رہے گی۔ دوسرے دن سے شبانہ بالکل بدل گئی۔ اب وہ دوسروں کے ساتھ پہلے کی طرح برتاؤ نہیں کیا کرتی تھی بلکہ ہر ایک کے ساتھ مل جل کر ہنسی خوشی کھیلا کرتی تھی۔

VI۔ (الف) سوچنا۔ رد عمل ظاہر کرنا

- 1- ندیم نے اپنی بیوی کی رائے نہیں مانی۔ کیا اس کا یہ عمل صحیح تھا؟ کیسے؟
- 2- شبانہ کو اپنا رویہ کیوں بدلنا پڑا۔ اگر وہ اپنے آپ کو نہ بدلتی تو کیا ہوتا؟
- 3- کیا آپ نے کبھی دوسروں کے کہنے پر اپنے برتاؤ میں بدلاؤ لایا؟
- 4- کن کن موقعوں پر ہمیں دوسروں کی رائے لیننی چاہئے؟

(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا

- 1- گھر پر یا مدرسے میں کام کرتے وقت کیا کبھی کسی نے آپ کو ٹوکا یا آپ کو کوئی مشورہ دیا؟ اس وقت آپ کا رویہ کیسا تھا؟ لکھیے۔

ذاتی ترقی

اپنے اطراف و اکناف میں ہونے والی ترقی کا مشاہدہ کرتے ہوئے خود احتسابی کے ذریعہ کوشش و عزم کے ساتھ زندگی میں اپنے بل بوتے پر آگے بڑھنا ہی ذاتی ترقی ہے۔ اس کا مطلب یہ کہ ہم بدلاؤ کو قبول کرتے ہوئے زندگی میں آگے بڑھیں۔
ذاتی ترقی کے حصول کیلئے لئے جانے والے اقدامات:-

- ☆ ہمیشہ مثبت سوچ کے حامل رہیں۔
- ☆ اپنے اطراف ہونے والی ترقی کا جائزہ لیں۔ اس میں سے اچھائی کو اپنے لئے قبول کریں
- ☆ اپنے اطراف رونما ہونے والی تبدیلیوں اور غیر واضح حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے ان تبدیلیوں کا خیر مقدم کریں۔
- ☆ جب وقار کا مسئلہ ہو تب بھی مسکراتے ہوئے مقابلہ کرنا چاہئے۔
- ☆ اپنے انداز میں ترقی کیلئے ہمت کرنی چاہئے اور ترقی کرنا چاہئے۔
- ☆ مشکلات حالات میں حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے مسائل پر قابو پانا چاہئے۔
- ☆ دورانہدیشی کے ساتھ اپنے مقصد کے حصول کیلئے ایک خاص رجحان کو اپناتے ہوئے اپنے ساتھیوں اور پڑوسیوں کو حصہ دار بنا کر ترقی کرنی چاہئے۔

جانیئے

سماج میں ہم کئی ایک لوگوں کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ ان میں چند ایسے ہوتے ہیں جو اوروں کی رائے کا احترام کرتے ہیں تو چند ایسے بھی ہوتے ہیں جو دوسروں کے مشوروں کو بالکل بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ کئے جانے والے کام پر تعمیری تنقید کو بھی برداشت نہ کرنے والے بہت سے لوگ ہیں۔ بہر حال ہمیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اگر کوئی تنقید کر رہا ہے تو وہ ہم میں یا ہمارے کام میں ضرور کوئی تبدیلی چاہتا ہے۔

جب ہم تبدیلی کا خیر مقدم کریں گے تو ہمیں اس میں اپنے لئے مواقع نظر آئیں گے۔ اس میں جھلکتی خوشی ہم دیکھ پائیں گے۔ اگر ہم تبدیلی کو ٹھکرائیں گے تو اس میں پوشیدہ مواقع ہمیں ہرگز نظر نہیں آئیں گے۔ ہم پر مایوسی و قنوطیت چھا جائے گی۔ اب اس حالت میں بھلا ترقی کہاں ممکن ہے۔ مثال کے طور پر ایک ڈاکٹر سے سر ذر ہوئی ایک چھوٹی سی غلطی سے ایک مریض کی جان گئی۔ اب اس کے بعد مریضوں نے اس ڈاکٹر کے ہاں جانا ہی بند کر دیا۔ لیکن اس ڈاکٹر نے بہت جلد اپنی غلطی کی نشاندہی کر لی۔ اس نے تہہ کر لیا کہ وہ دوبارہ ایسی غلطی نہیں کرے گا۔ اس نئے عزم کے ساتھ اس نے دوبارہ علاج و معالجہ شروع کیا۔ مریضوں کو اپنی باتوں سے اپنا مطیع بنا لیا۔ اب

حال یہ ہے کہ اس ڈاکٹر کے پاس مریضوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ تنقید چاہے کیسی ہی کیوں نہ ہو اگر وہ بہتری کے لئے ہو یا ترقی کے راستے میں مددگار ہو تو اسے ضرور تسلیم کرنا چاہئے۔ ہر تبدیلی کے لئے ہمیں تیار رہنا چاہئے۔

تبدیلی شعور کی علامت ہے۔ شعور زندگی کی علامت ہے۔ ہم نے دیکھا کہ ہر موسم کے ساتھ فطرت اپنا رنگ بدلتی ہے۔ خزاں کے موسم میں اپنے پتوں سے محروم ہونے والے درخت موسم بہار میں پھر سے ہرے بھرے ہو جاتے ہیں۔ کائنات میں ہر جاندار موسم کے بدلنے کے ساتھ ساتھ اپنی اندرونی و بیرونی کیفیت بدلتے رہتا ہے۔ کائنات میں بدلاؤ ایک اہم فطری عمل ہے۔

بدلاؤ کیا ہے۔؟؟

کسی بھی طرح جاری رہنے والے کام میں ہونے والی پیشرفت ہی بدلاؤ ہے۔ تجربات اور تحقیقات بدلاؤ کی بنیاد ہیں۔

بدلاؤ کو ہمیں کیوں تسلیم کرنا چاہئے۔

اپنے تجربات کی بنیاد پر مستقبل کے پیش نظر اپنے حال کو سدھارنے کیلئے ہمیں بدلنا چاہئے۔ بدلاؤ کا استقبال کریں گے اس کے اندر ہمارے لئے پوشیدہ فوائد ہمیں دکھائی دیں گے۔ اس کے اندر چھپی ہوئی مسرت ہمیں خوش آمدید کہے گی۔

ہٹ دھرمی:-

اگر ہم بدلاؤ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں تو ہم ترقی کے مواقعوں سے محروم ہو جائیں گے۔ مایوسی و قنوطیت کا شکار ہو جائیں گے۔ ان حالات میں ترقی ممکن ہی نہیں۔ بدلاؤ کو تسلیم نہ کرنے کی اہم وجہ لوگوں کا ڈر ہے اپنے پاس جو کچھ ہے اس کے کھودینے کا ڈر جو کچھ نہیں ہے اس کے نہ ملنے کا خوف غرض ان کے شکوک و شبہات ہی انہیں بدلاؤ کو قبول کرنے سے روکتے رہتے ہیں۔

تنقید:

تنقید سے مراد ہمارے کئے ہوئے یا کئے جانے والے کام پر بے خوف و بے باک رائے دینا ہے۔ اگر کوئی تنقید برائے تعمیر کرتا ہے تو اسے ہمیں ضرور تسلیم کرنا چاہئے۔ ایک بزرگ کو ان کا ایک شاگرد ہمیشہ کسی نہ کسی بات پر ٹوکتا تھا۔ سخت چست الفاظ میں ان پر تنقید کیا کرتا تھا۔ مگر بزرگ ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آنے والے وہ چپ رہنے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ کبھی نہ کبھی تو ان کا شاگرد اپنے کئے ہوئے پچھتائے گا۔ اسے ضرور احساس ہوگا۔ بجائے اس کی تنقیدوں کا جواب دینے کے بجائے اس کی تعریف کیا کرتے۔ کہتے تھے کہ ان کا شاگرد ایک سیدھا سادہ آدمی ہے ایک نیک انسان ہے۔ کچھ دنوں بعد اس مفروضہ شاگرد نے محسوس کیا کہ وہ کتنا غلط تھا۔ اس نے اپنے شفق استاد کو کیا کیا نہ کہا۔ مگر استاد نے اف تک نہ کی۔ بلکہ اسے سراہتے رہے۔ وہ اپنے آپ پر وہ نادم ہو گیا اور اسی دن اس نے تہہ کیا کہ اب کی بار وہ جب بزرگ سے ملے گا تو ضرور ان سے معافی مانگ لے گا۔ لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ راستے میں شیر نے اس پر حملہ کیا اور وہ اپنی جان گنوا بیٹھا۔ جب اس کا علم بزرگ کو ہوا تو انہیں بہت ملال ہوا۔ انہوں نے کہا کہ یہ ان کی بد قسمتی ہے کہ وہ ایک ایسے شاگرد سے محروم ہو گئے جو وقتاً فوقتاً ان پر اپنی تنقیدیں کرتے ہوئے ان میں تکبر کو پیدا ہونے سے روکتا رہا۔

اوروں کی تنقیدیں ہم میں خود احتسابی پیدا کرتی ہیں۔ وہ ہمارے لئے سبق کا کام کرتی ہیں۔ وہ ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔ وہ ہمارے شعور کو پیدا کرتی ہیں۔ ہماری عقل کو جلا دیتی ہیں۔ تنقید کرنے والوں پر الزام لگانا یا ان کے بے عزتی کرنا غلط بات ہے۔ ہمیں اپنے اندر کی کوتاہیوں کو پہنچانے کی کوششیں کرنی چاہئے۔

چند لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ہم پر یا ہمارے کام پر بے وجہ تنقیدیں کرتے رہتے ہیں۔ ہمیں ان کی باتوں کو اتنی سنجیدگی سے لینے کی ضرورت نہیں۔

بے وجہ تنقید جہالت کا نتیجہ ہوتی ہے

بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنا وقت اس امید میں ضائع کرتے ہیں کہ کوئی نہ کوئی تو آئے گا اور ان کی مدد ضرور کرے گا۔ لیکن یہ لوگ کبھی دوسروں کا بھلا نہیں کرتے۔ یہ لوگ صرف اپنی کڑوی، کیسلی باتوں سے اوروں کے دل کو ٹھیس پہنچاتے رہتے ہیں اور پھر یہ چاہتے ہیں کہ لوگ انہیں کچھ نہ کہیں۔ ان کی بھلائی کی بات بھی کی جائے تو وہ برداشت نہیں کرتے۔ الٹا بھلا چاہنے والے پر ہی حملہ کر دیتے ہیں۔ جو سمجھتے ہیں کہ وہ سب کچھ جانتے ہیں وہ دراصل بے وقوف ہوتے ہیں۔ کئی چیزیں ہمیں دوسروں سے سیکھنی ہوتی ہیں۔ آپ اگر کچھ نہیں جانتے ہیں تو کوئی مصالحتہ نہیں لیکن اوروں کے معاملات میں مداخلت کرنا بہت غلط بات ہے۔ جو کچھ نہیں کر سکتے وہی دوسروں کے کام پر تنقیدیں کرتے رہتے ہیں۔ جو کسی کا ساتھ نہیں دیتے وہ کسی کی امداد کی کوئی قدر نہیں کرتے۔ انہیں کسی کام کی اہمیت کا پتہ اس وقت چلتا جب وہ خود کو اس کام میں شامل کر لیتے یا خود اس کام کا بوجھ اٹھاتے۔ دوسروں کی فراہم کی گئی امداد کی قیمت انہیں معلوم ہوتی۔ تنقید ہی کو اپنا شیوا بنا لینے والے کبھی کسی کے چہرے نہیں بن سکتے۔ ان کی باتیں قلعے تسخیر کر لیتی ہیں لیکن ان کے قدم چوکٹ سے باہر نہیں پڑتے۔ ہمیشہ دوسروں کی مدد کے جو طلبگار ہوتے ہیں وہ بالآخر کاہل بن جاتے ہیں۔ ان کی یہ خصلت بڑی خطرناک ہوتی ہے۔ بہت جلد ایسے لوگ مصیبتوں میں گھر جاتے ہیں۔ وہ کسی کام کے اہل نہیں رہتے۔ اس لئے جو کچھ آپ سے بن پڑے وہ آپ کرتے جائے۔ اس کے بعد بھی کسی امداد کی ضرورت پڑی تو وہ کسی نہ کسی طرف مل ہی جاتی ہے۔ کوئی بھی کام نہ کرنے کی ٹھان کر بیٹھ جانے والے بڑے خسارے میں ہیں۔ کام سے صحت بنتی ہے۔ کام سے علم بڑھتا ہے یہی نہیں بلکہ کام سے معیار زندگی بلند ہوتا ہے۔ کام کرنے سے قاصر لوگ دوسروں پر بے وجہ الزم تراشی کرتے رہتے ہیں۔ دوسروں کے ہر کام میں کیڑے نکالنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ ان سے دوسروں کی ترقی دیکھی نہیں جاتی۔ ان کی بحث ان کی باتیں اوروں پر گراں گذرتی ہیں۔ ان کی باتیں لوگ ایک حد تک ہی سن سکتے ہیں۔ ایک مرتبہ وہ حد سے آگے نکل گئیں تو وہ لوگوں کی نظروں سے گر جاتے ہیں۔ اس لئے ہمیں چاہے کہ ہم اپنا کام کرتے جائیں۔ نتیجے کی فکر نہ کریں۔ اگر کام صحیح ڈھنگ سے کرو تو تم ضرور

کامیاب ہونگے۔ ہاں اگر غلطیاں ہو بھی جاتی ہیں تو انہیں سدھار لیا جاسکتا ہے۔ مستقبل میں احتیاط برتی جاسکتی ہے۔ لیکن غلطیوں کے ڈر سے کام ہی ترک کر دینا بے وقوفی ہے۔ ایک بار تمہیں کام کا چسکا لگ جائے تو تم اسے چھوڑنے کی سوچ بھی نہیں سکتے۔ قدرت بھی ہر طرح تمہاری مدد کرے گی۔ ہوا پانی اور روشنی کے ساتھ ساتھ تمہاری خوشی کیلئے خوشگوار فضاء، پہاڑ، چاند سورج، وادیاں وغیرہ قدرت نے تمہیں دے رکھی ہیں۔ ان سے تم کتنا کچھ لطف اندوز نہیں ہوتے۔۔۔؟

یہی نہیں تم کئی ایک کام غیر ارادی طور پر کر رہے ہو؟ سانس لینا، دل کا دھڑکنا، لمس (چھونے کا احساس) پتلیوں کا جھپکنا وغیرہ جیسے کئی کام نامحسوس طریقے سے بلا رکاوٹ سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ پھر بھی تم مطمئن نہیں ہوتے۔ جس کے نتیجے میں تمہارے اندر کرب، حسد اور نفرت کی آگ بڑھتے جاتی ہے اور ایک نامعلوم سی اداسی، بے چینی و بد امنی تمہارے اندر پنپنے لگتی ہے۔ بیماری تمہارا پیچھا کرنے لگتی ہے۔ اس لئے تمہیں ہمیشہ اپنے دل و دماغ کو خوش رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اور یہ صرف پڑھے لکھے لوگوں کے لئے ہی ممکن ہے۔ اپنے اندر موجود غلط خصلتوں کو باہر نکال پھینکنے میں علم ایک ہتھیار کا کام کرتا ہے۔ اس ہتھیار کا استعمال کر کے ہم کسی چیز کو بڑی آسانی سے حاصل کر سکتے ہیں۔

قول: اگر ہم اپنے آپ کو بدلیں تو یہ دنیا از خود بدلے گی۔ اگر ہم پاکیزہ ہوں گے تو یہ دنیا بھی صاف ستھری ہوگی۔

انصاف کی لڑائی

11

- I- اہم قدر : انصاف
 II- ذیلی قدر : نا انصافی کے خلاف آواز اٹھانا
 III- مقاصد، مطلوبہ نتائج: نا انصافی کی شناخت کر کے انصاف کے ہونے تک آواز اٹھانے سے واقف ہوں گے۔
 IV- تمہید : اپنے اطراف و اکناف سماج میں اگر کہیں نا انصافی ہو رہی ہو تو ہمیں ان دیکھی نہیں کرنا چاہئے بلکہ ہونے والی نا انصافی کے خلاف آواز اٹھانا چاہئے۔ انصاف ملنے تک ایمانداری سے اپنی کوششیں جاری رکھنا چاہئے۔ نا انصافی کے خلاف آواز اٹھائے جانے والے چند ایک واقعات ذیل میں درج ہیں۔

v- موضوع:-

واقعہ 1:

ایک گاؤں میں سنتوش نامی ایک کسان تھا۔ اس کی زندگی کا دار و مدار زراعت پر تھا۔ دھوپ ہو کہ بارش دن ہو کہ رات ہو وہ سخت محنت کر کے کاشتکاری کرتا تھا۔ زراعت کیلئے درکار سرمایہ کیلئے اس نے شہر کے ایک ساہوکار کے پاس سے قرض لیا۔ ساہوکار نے اس شرط پر سنتوش کو قرض دیا کہ وہ اپنی فصل اسی ساہوکار کے ہاتھوں فروخت کرے گا۔ چند مہینوں کے بعد جب فصل ہاتھ آئی تو سنتوش اسے ساہوکار کے پاس لے گیا۔ ساہوکار نے ایک قیمت طے کی اور ساری فصل اونے پونے بھاؤ خرید لیا۔ بعد میں سنتوش کو پتہ چلا کہ مارکٹ کی قیمت ساہوکار کی طے کی گئی قیمت سے بہت زیادہ تھی۔ وہ دوبارہ ساہوکار کے پاس گیا اور اپنے ساتھ ہوئی نا انصافی کے خلاف آواز اٹھائی۔

واقعہ 2:

”غذا میں تغذیہ کی کمی کو روکتے ہوئے تمام طلباء و طالبات کی صحت کو یقینی بنانے کی غرض سے حکومت نے تمام مدارس میں دوپہر کے کھانے Mid Day-Meats کا انتظام کر رکھا ہے۔ اس سلسلے میں یومیہ مہیا کی جانے والے فہرست طعام (MENU) کی

تفصیلات بھی طے کر کے مدرسہ انتظامیہ کو فراہم کی گئیں ہیں، ان الفاظ کے ساتھ منڈل ایجوکیشن آفیسر نے اپنی بات مکمل کی جو اس دن مدرسہ کے معائنہ کے حصہ کے طور پر صبح 9 بجے اسکول اسمبلی میں پہنچے تھے۔

مدرسے میں منڈل ایجوکیشنل آفیسر کا پیغام سننے کے بعد تمام طلباء نے آپس میں بات چیت کی۔ ایم ای او نے تو کہا کہ دوپہر کا کھانا Menu کے مطابق دیا جانا چاہئے جبکہ انہیں روزانہ دال اور چاول ہی دیئے جارہے ہیں۔ مباحثہ کے دوران انہوں نے طے کیا کہ Menu کا پتہ لگایا جائے۔ ان میں سے چند طلباء صدر مدرس کے اجلاس پہنچے اور وہاں انہوں نے یومیہ Menu دیکھا۔ اس میں درج تھا کہ پیر کے دن پھل اور چہار شنبہ کے روز انڈے دیئے جائیں یہ جان لینے کے بعد طلباء نے باقی طلباء سے اس تعلق سے بات کی اور سب مل کر مڈے میلس ایجنسی کے پاس گئے۔ وہاں انہوں نے یکے بعد دیگر پوچھنا شروع کیا کہ آخر انہیں پھل کیوں نہیں دیئے جارہے ہیں انڈے کیوں نہیں دیئے جارہے ہیں۔ ترکاریاں کیوں نہیں دی جارہی ہیں؟ روزانہ دال چاول ہی کیوں دیئے جارہے ہیں۔

VI۔ الف) سوچنا ردعمل کا اظہار کرنا

- 1- کسان کے ساتھ نا انصافی ہوئی۔ اس نے نا انصافی کے خلاف آواز اٹھائی۔ کسان کا یہ ردعمل کیا صحیح تھا؟۔ کیسے؟
- 2- ”Menu کے مطابق مڈے میلس فراہم نہ کئے جانے کے خلاف بچوں نے جو آواز اٹھائی۔ کیا آپ ان کی تائید کریں گے؟ کیوں؟
- 3- ہمیں کیسے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے ساتھ نا انصافی ہوئی ہے۔؟
- 4- کیا آپ کی ذاتی زندگی میں کبھی آپ کے ساتھ کوئی نا انصافی ہوئی تھی۔ کیا آپ نے اس نا انصافی کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ کیسے۔؟
- 5- آپ کے گاؤں یا علاقے میں کیا نا انصافی کے کوئی واقعات ہوئے تھے۔ بحث کیجئے اور وجوہات کا تجزیہ کیجئے۔

(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا

- 1- اپنے مدرسے سے مڈے میلس کے مینو کا جائزہ لیجئے۔
- ایک ہفتے تک مشاہدہ کیجئے کہ کیا کھانا مینو کے مطابق دیا گیا ہے یا نہیں۔ کس دن MENU کے مطابق دیا گیا اور کن کن دنوں میں menu کے حساب سے نہیں دیا گیا۔ تفصیلات اپنی ڈائری میں درج کیجئے۔ وجوہات معلوم کیجئے اور بتائیے۔

جانیے:

انسان ایک سماجی حیوان ہے۔ سماج میں رہنے کے لئے چند ایک پابندیاں اصول و ضوابط اور روایات وضع کئے گئے ہیں۔ انسان کو ان کی پابندی کرنا لازمی ہے۔ اسی طرح اسے چلنے والے جائز حقوق کے تلف ہونے پر وہ انہیں بھی منصفانہ طریقوں سے حاصل کر سکتا ہے۔

مثال:- خاندان کی سطح پر اگر دیکھا جائے تو بزرگوں کا خیال رکھنا۔ بچوں کو صحیح تحفظ فراہم کرنا، ان کی تعلیم و تربیت، کھانے پینے کے معاملہ میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنا وغیرہ۔ کسی خاندان میں اگر بوڑھے ماں باپ اپنے کام خود کرنے سے قاصر ہوں تو بچوں کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ انہیں سہارا دیں۔ ان کی ضروریات کو پوری کریں۔ یہ تمام خاندانی انصاف کے تحت آتا ہے۔ اگر مندرجہ بالا حقوق سے وہ محروم ہوتے ہیں یا محروم کر دیئے جاتے ہیں تو انہیں انصاف مانگنے کا حق حاصل ہے۔

اگر ہم سماج کی سطح پر دیکھیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ سماج میں ہر روز کچھ نہ کچھ نا انصافی ہوتی رہتی ہے۔ جیسے امیر آدمی کا غریب آدمی کو غلام سمجھنا۔ بنیادی ضروریات جیسے روٹی کپڑا اور مکان سے کئی لوگوں کا محروم رہنا، پیداوار اور دولت کا چند ہاتھوں میں مرکوز ہونا، چھوت چھات، ذات و مذہب کے نام پر تعصب اور جنسی بھید و بھاؤ وغیرہ، ہم سماج میں دیکھتے رہتے ہیں۔

اس لئے دستور نے چند ایسے قوانین بنائے ہیں جن کی مدد سے ہم قانونی طریقے سے ان حقوق کو حاصل کر سکتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ حق تلفی کے خلاف آواز اٹھانے اور انصاف دلانے کیلئے آج بہت سے ادارے بھی کام کر رہے ہیں۔

☆ یہ ادارے آج نا انصافی کے خلاف لڑنے کے لئے آگے آرہے ہیں۔ ان کے ساتھ مل کر ہم بے انصافی کے خلاف ڈٹ کر مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ہر فرد کو چاہئے کہ وہ بے انصافی کے خلاف لڑنے کو اپنا فرض سمجھے۔ اسی طرح تمام افراد کو بھی چاہئے کہ وہ اپنی اپنی اخلاقی ذمہ داریوں کو بخوبی نبھائیں۔ ماں باپ کی ضروریات کو پورا کرنا، بچوں کی پرورش کرنا، انہیں تعلیم و تحفظ فراہم کرنا، انصاف کے راستے پر چلنا، خدا ترسی کے حامل بننا۔ اوروں کی عزت کرنا، قانون کا پاس و لحاظ وغیرہ جیسے کام اگر ہم پابندی سے کریں تو سماج میں نا انصافیوں کو کچھ حد تک کم کیا جاسکتا ہے۔

آج کے سماج میں ہونے والی کئی ایک بے انصافیوں کا ہم مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ ایک بیٹا اپنے والدین کو نکال باہر کرتا ہے۔ شوہر بیوی کو چھوڑ دیتا ہے۔ ماں باپ اپنے بچوں کی صحیح نگہداشت نہیں کرتے۔ محنت کرنے والوں کو غلام سمجھا جاتا ہے۔ محبت کے نام پر لڑکیوں کو دھوکہ دیا جاتا ہے۔ جنونی لوگ قتل کرتے ہیں۔ سود کا کاروبار کرنے والے ساہوکار ناخواندہ لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور ان کی

جائیداد کو چھین لیتے ہیں۔ قتل، عصمت ریزی وغیرہ جیسے کئی ناجائزہ و بے انصافیوں والے کام سماج میں ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے خلاف آواز اٹھا کر لڑنے والے چند ادارے بھی قائم ہو چکے ہیں۔ شہریوں کو چاہئے کہ ان اداروں سے مل کر وہ ظلم کے خلاف آواز اٹھائیں۔

انصاف کیا ہے

ہم جانتے ہیں کہ دستور قانون فطرت کے اصولوں کی بنیاد پر تیار کیا گیا ہے۔ قانون فطرت کے وہ اصول درج ذیل ہیں۔

A۔ سماجی انصاف:-

عورت و مرد کے فرق، چھوٹے بڑے میں عمر کے فرق، ذات پات، مذہب و علاقائی بنیاد پر سماج میں افراد کو عزت دینا یا ان کے درمیان امتیاز برتننا سماجی انصاف نہیں ہے۔ بھید بھائی نہیں ہونا چاہئے۔ گاؤں کے باہر چند ایک مخصوص ذاتوں کے محلے نہیں ہونے چاہئے۔

ہر ایک کو اس کی صلاحیت کے لحاظ سے کام ملنا چاہئے۔ ضرورت کے مطابق اسے اجرت ملے۔ کام کرنے سے قاصر رہنے والے بچوں، بوڑھوں اور معذورین کی ذمہ داری نوجوانوں کو اپنے کاندھوں پر لینی چاہئے۔ یہ سماجی انصاف کا ایک حصہ ہے۔ ایک عمدہ سماج میں تعلیم اور تحفظ بھی اسی سماجی انصاف کے تحت آتے ہیں۔

B۔ معاشی انصاف:-

مندرجہ بالا کسی بھی وجہ سے سماج میں معاشی بھید بھاؤ نہیں ہونا چاہئے۔

- ☆ معاشی انصاف پر عمل آوری کے لئے ضروری ہے کہ مجموعی نفع نقصان میں ہر فرد حصہ دار ہو۔
- ☆ معاشی نامساوات پیدا کرنے والے قوانین کو ترک کرنا چاہئے۔ معاشی عدم مساوات نہیں ہونی چاہیے۔
- ☆ اچانک پیدا ہونے والی نامساوات کو ختم کرنے یا کم کرنے کی گنجائش ہونی چاہئے۔
- ☆ سماج کو کمزوروں، معذوروں، بوڑھوں اور بچوں کی ذمہ داری اٹھانی چاہئے۔
- ☆ ہر کسی کو اس کی صلاحیت کے مطابق کام کرنا چاہئے اور کام کے اعتبار سے اس کی اجرت ہونی چاہئے۔
- ☆ زیادہ کام زیادہ اجرت، تھوڑا کام کم اجرت اور کام نہیں تو اجرت نہیں۔ یہی معاشی انصاف ہے۔
- ☆ تھوڑے کام کی زیادہ اجرت یا بنا کام کے اجرت لینا وغیرہ معاشی بے انصافی کے تحت آتا ہے۔
- ☆ ایک عمدہ سماج میں ہماری مرضی کا پیشہ اور پیداوار میں حصہ داری معاشی انصاف کے تحت آتے ہیں۔

C:- سیاسی انصاف:

مندرجہ بالا امتیازات کی بنیاد پر سیاسی میدان میں بھید بھاؤ نہیں ہونا چاہئے۔
مختلف سطحوں پر اپنے نمائندوں کو منتخب کرنے یا نمائندے کی حیثیت سے منتخب ہونے کی (منتخب کئے جانے) کی گنجائش ہونی چاہیے۔

ایک عمدہ سماج میں اپنی پسند کے نظم و نسق میں ایک فرد کی حصہ داری سیاسی انصاف کے تحت آتی ہے۔
ایک عمدہ سماج میں تعلیم، روزگار، تحفظ اور پیداوار نظم و نسق میں شراکت تمام شہریوں کو حاصل رہتے ہیں۔

بے انصافیوں کے خلاف آواز اٹھانا

بے انصافی کے خلاف آواز اٹھانے سے مراد دستور کے فراہم کردہ حقوق کو تلف ہونے سے روکنا ہے۔
شہری حقوق:-

مہذب سماج میں شہری حقوق، شہریوں کی دولت، عزت و جان کی حفاظت کیلئے درکار سماجی و سیاسی حالات پیدا کرتے ہیں۔ ان حقوق کے بغیر مہذب سماج کا وجود ہی ممکن نہیں۔ شہری حقوق انسان کی آزادانہ زندگی کو کامیاب بناتے ہیں۔ جدید دور میں مختلف سماجوں کے جمہوری و سیاسی اداروں میں شہری حقوق پر عمل آوری ہو رہی ہے۔ تمام شہریوں کو تمام میدانوں میں مساوی مواقع فراہم کرنے کا اصول ہی شہری حقوق کی بنیاد ہے۔ جدید سیاسی اداروں نے جن بنیادی حقوق کی نشاندہی کی ہے ان میں جان کی حفاظت کا حق بندشوں سے چھٹکارا پانے کا حق اظہار خیال کی آزادی کا حق، جلسے جلوس نکالنے کا حق و آزادی کا حق اہم ہیں۔

انسانی حقوق

- 1- جینے کا حق
- 2- آزادی کا حق
- 3- افراد کے تحفظ کا حق
- 4- غلامی و بیگاری سے چھٹکارا پانے کا حق
- 5- قانونی طور پر مساوی تحفظ پانے کا حق
- 6- آزادانہ سوچ و آزادی کا ساتھ گھومنے پھرنے کا حق
- 7- اپنی مرضی کا مذہب اختیار کرنے کا حق
- 8- اظہار خیال کی آزادی کا حق
- 9- اداروں و انجمنوں کو چلانے کا حق

10- جلسے و جلوس کے انعقاد کا حق

11- ہر بالغ شہری کو آزادی کے ساتھ رضا کارانہ طور پر عام چناؤ میں حصہ لینے کا حق

(مندرجہ بالا تمام حقوق کو شہری و سیاسی حقوق کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے)

☆ سماجی، معاشی، ثقافتی حقوق

1- سماجی تحفظ کا حق

2- کام کا حق

3- کام کے دوران وقفہ لینے اور تکان اتارنے کا حق

4- تعلیم کا حق

5- روایتی، ثقافتی پروگراموں میں حصہ لینے کا حق

6- ہر انسان کے سماجی طور پر بین الاقوامی شناخت حاصل کرنے کے علاوہ حقوق و آزادی کو حقیقی بنا لینے کا حق

مندرجہ بالا حقوق جب پامال ہوتے ہیں تو انسان بے انصافی کے خلاف آواز اٹھانے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ ان حقوق کا تحفظ کرتے ہوئے ان کے مطابق عمل کرنے کو منصفانہ حکمرانی کہتے ہیں۔ اگر حکمرانی منصفانہ نہ ہو تو ہر شخص کو اس کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہو جانا چاہئے۔

عدلیہ نظام

یہ کہنا بالکل غلط ہوگا کہ ہندوستان کے نظام عدل و سماجی نظام کے مقاصد غیر واضح ہیں۔ دستور میں فراہم کردہ حقوق کا تحفظ کرنا ہندوستان کے نظام عدلیہ کے مقاصد میں سے ایک ہے۔ عوام کے ساتھ ہونے والی بے انصافیوں کا مقابلہ کرنے میں عدلیہ شہریوں کی مدد کرتی ہیں۔ گاؤں کے سطح پر دیہی عدلیہ، ضلع کی سطح پر ضلعی عدالتیں، ریاستی سطح پر ہائیکورٹ اور پورے ملک کی سطح پر سپریم کورٹ عوام کیلئے انصاف رسانی کا کام کر رہی ہیں۔ اسی طرح صارفین کی عدالت (Consumer court) بھی ہوتے ہیں جو صارفین کے مفادات کی نگرانی کرتی ہیں۔ اپنی خریدی ہوئی چیز ادا کی گئی قیمت سے کمتر نکلے یا فروخت کنندہ کے دعوؤں پر کھری نہ اتری تو صارف عدالت سے انصاف چاہتا ہے اگر اس کے پاس خریدی ہوئی چیز کی رسید ہو تو اس طرح عدلیہ کا یہ نظام عوام کے ساتھ ہونے والی نا انصافیوں کا جائزہ لیتے ہوئے ان کا مقابلہ کرنے میں ان کا ساتھ دے رہی ہیں۔

قول: ترقی کے راستے میں رکاوٹ بننے والے مخالف حالات کے بیچ پنپنا اور پھلنا و پھولنا ہی زندگی ہے۔

جانوروں پر تشدد

12

- I- اہم قدر : امن و بھائی چارگی۔ مل جل کر زندگی گزارنا
- II- ذیلی قدر : جانداروں پر تشدد
- III- مقاصد، مطلوبہ نتائج: ☆ طلباء جانیں گے کہ جانداروں پر تشدد نہیں کرنا چاہئے۔ وہ جانوروں کو چاہنے لگیں گے۔
- ☆ جانداروں پر ہونے والے تشدد کی روک تھام کریں گے۔ ان کی حفاظت کریں گے۔
- IV- تمہید : ہماری اس زمین پر کئی قسم کے جانداروں کو ہم دیکھتے رہتے ہیں۔ کسی بھی جاندار کو یہ حق نہیں کہ وہ دوسرے جاندار کو تکلیف پہنچائے۔ ہر ایک کو ہنستے کھیلتے زندگی گزارنے کا حق ہے انسان مفاد پرست ہے۔ وہ بے زبان جانداروں پر اپنی بہادری دکھا رہا ہے۔ اپنی ضروریات کی تکمیل کیلئے ہمارا مختلف جانوروں پر انحصار کرنا ایک فطری بات ہے۔ لیکن اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے بعد بھی انہیں تکلیف پہنچانا ایک گناہ ہے۔ انسانوں کی خود غرضی کا شکار ہونے والے جانوروں کے چند واقعات ملاحظہ کیجئے۔

V- موضوع:

واقعہ 1:

گاؤں کی افزائش مویشیوں کے ایک مرکز میں کئی گائے ہیں۔ وہاں دودھ کے لئے گائیوں کی افزائش کی جاتی ہے۔ دودھ کا تاجر گائے کے پھٹروں کو ان کے پیدا ہونے کے محض دو چار دن ان کی ماؤں کا دودھ پلاتا ہے۔ اس کے بعد وہ انہیں مرنے کیلئے چھوڑ دیتا ہے۔ مشینوں کے ذریعہ گائیوں کا دودھ نکالا جاتا ہے۔ اس سے گائیوں کو جو تکلیف پہنچتی ہے وہ ناقابل بیان ہوتی ہے۔ بے چاری۔ گائیں! وہ اپنی تکلیف بتا بھی نہیں سکتی ہیں۔

واقعہ 2:

شہر کے قریب ایک گاؤں ہے۔ وہاں زراعت کیلئے بیلوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ کچھ سال تک بیلوں کو بل پر جوتنے کے بعد وہ بوڑھے ہو جاتے ہیں اور کسی کام کے نہیں رہتے۔ تب ان کی چروائی سے بچنے کیلئے انہیں شہر کے کمیل کو بھیج دیا جاتا ہے جہاں انہیں حلال کر کے نئے گوشت ہڈیوں اور چرم کی تجارت کی جاتی ہے۔

واقعہ 3:

ایک مرتبہ ہمارے گاؤں میں سرکس آیا تھا۔ سرکس والے مختلف قسم کے جانور اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ ان میں بندرتھے، کتے تھے، شیر اور ہاتھی تھے۔ نمائش سے پہلے انہیں تربیت دی جاتی ہے۔ اگر آپ انہیں تربیت دیتے وقت جا کر دیکھیں تو ٹریز کے ہاتھ میں ایک ہنٹر ہوتا ہے اور اگر جانور اس کی بات نہ مانے تو وہ اس ہنٹر سے اس جانور کو اس بری طرح پیٹتا ہے کہ دیکھنے والوں کی بھی روح کانپ جائے۔ ان تمام باتوں سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ ہم تو سرکس میں ان کے کرتب دیکھ کر تالی بجاتے ہیں۔

واقعہ نمبر 4:-

VI (الف) سوچنا۔ رد عمل کا اظہار کرنا

- 1- ہماری تجارت کے لئے بے زبان جانوروں پر تشدد کرنا کہاں تک جائز ہے؟ اپنے خیالات کا اظہار کریں۔
- 2- ہم سرکس میں جانوروں کے کرتب دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ کیا ان جانوروں کے تعلق سے آپ نے کبھی سوچا! اگر وہ اپنی نکالیف بیان کر سکتے تو کیا کہتے؟ تصور کیجئے اور لکھئے۔
- 3- آپ کے اطراف و اکناف میں جانوروں پر تشدد ہوتے ہوئے کیا آپ نے کبھی دیکھا ہے؟ ایسے مناظر دیکھنے کے بعد آپ نے کیسے محسوس کیا؟
- 4- گائے، بھینس کے دودھ سے ان کے پھٹڑوں کو محروم رکھتے ہوئے، ان کی غذا ہم استعمال کر رہے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟ کیسے؟
- 5- آپ کے علاقے میں جانوروں پر تشدد کے واقعات پر ایک نوٹ لکھئے۔ ان پر بحث کیجئے۔ ان حالات میں ایک حساس دل رکھنے والے حیثیت سے آپ کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟
- 6- کیا کبھی کسی جانور کی بھلائی کا کوئی کام آپ نے کیا ہے؟ تفصیل سے بتائیے کہ آپ نے کیا کیا؟

(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا

- 1- آپ کے گھر میں یا اطراف و اکناف میں جانوروں پر ہونے والے تشدد کے واقعات کا مشاہدہ کیجئے اور لکھئے۔ ان واقعات کی روک تھام کیلئے آپ کیا کریں گے؟
- 2- کھاتے وقت آپ کے سامنے کھانا اگر چھین لیا جائے تو آپ کیسا محسوس کریں گے!

جانے

دنیا میں کئی مخلوق پیدا ہوئیں۔ ان میں انسان کو ایک خاص حیثیت حاصل ہے انسان سوچ سکتا ہے۔ اپنی ضروریات کی تکمیل کر سکتا ہے۔ ان کے علاوہ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس میں انسانیت ہوتی ہے۔ محبت، امن، مہربانی، رحم، اخوت، بھائی چارگی و ہمدردی وغیرہ وہ صفات ہیں جو ہر انسان میں ہونے چاہیے۔

ہمارے ساتھ ساتھ دوسری تمام مخلوقات کو بھی خوش و خرم زندگی گزارنے کا حق ہے۔ ہم اپنی کئی ایک ضروریات کیلئے کائنات میں پائے جانے والے جانداروں پر انحصار کرتے ہیں۔ دودھ، غذا اور اپنے تحفظ کیلئے ہم جانوروں کو پالتے ہیں اور انہیں استعمال کرتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ بے زبان ہیں۔ ان کے ساتھ جو بھی سلوک کریں وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑتے۔ یہاں تک کہ وہ شکایت بھی نہیں کر سکتے۔ اتنا جانتے ہوئے بھی اگر ہم زیادہ نفع کی لالچ میں ان کا ضرورت سے زیادہ استعمال کریں یا ان پر تشدد کریں تو کیا یہ انسانیت ہے؟ غور کیجئے۔ انسان کی اچھائی و انسانیت جانداروں کی حفاظت کیلئے استعمال ہونی چاہئے نہ کہ ان پر تشدد کرنے کیلئے۔ پرندوں اور چرندوں کی بدولت ہمیں کئی قسم کی سہولیات میسر آتی ہیں۔ وہ ہمارے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ ان کے ساتھ محبت سے پیش آنا، انہیں آزادی کے ساتھ جینے دینا ہماری اقل ترین ذمہ داری ہے۔ یہی نہیں بلکہ انہیں غذا فراہم کرنا۔ پناہ دینا اور ان کی حفاظت کرنا بھی ہماری ہی ذمہ داری ہے۔

پرانے دور میں گاؤں میں پالتو گائے کے بھی انسانوں کی طرح نام رکھے جاتے تھے۔ اور انہیں ان کے نام سے پکارتے ہوئے خاندان کے ایک فرد کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ وہ جانور بھی خاندان کے افراد کو دیکھتے تو خوش ہو جایا کرتے۔ یہ ہندوستانی تہذیب ہے۔ ہمیں کسی بھی جاندار کو مارنے کا حق نہیں ہے۔ جانور چاہے جنگل میں ہوں، گھر میں ہوں یا سڑک پر انہیں بھی جینے کا حق ہے۔ ہمیں ان کا تحفظ کرنا چاہئے۔

اس دوران میں جانوروں کے تحفظ کیلئے Blue Cross نامی ادارے کا قیام عمل میں آیا ہے۔ یہ لوگ وہاں پہنچ جاتے ہیں جہاں جانوروں پر ظلم و تشدد ہوتا ہے وہ ان جانوروں کو تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ہم انسان ہیں۔ وہ انسان جن میں انسانیت ہے۔ لہذا ہم یہ عہد کریں کہ جانوروں پر تشدد نہیں کریں گے اور ان کا تحفظ کریں گے۔ ہمیں چاہے کہ ہم اپنے ساتھ ساتھ دوسری مخلوقات کو بھی جینے دیں۔

قول زریں: جیواور جینے دو

خدمات

- I- اہم قدر : محنت کی قدر
 II- ذیلی قدر : مختلف پیشہ وروں کی خدمات کی نشاندہی کرنا۔
 III- مقاصد، مطلوبہ نتائج : ☆ سماج میں مختلف پیشہ وروں کی جذبات کی شناخت کریں گے۔
 ☆ تمام پیشوں کی مساوی قدر و قیمت سے واقف ہوں گے اور ہر شے کو مساوی اہمیت دیں گے۔

- IV- تمہید : ساری انسانی برادری کو ہم دو طبقوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ 1- محنت کش طبقہ اور 2- کاہل، بے کار لوگوں کا طبقہ۔ کاہلی ایک ناقابل معافی جرم ہے۔ کاہل آدمی نہ صرف ملک پر بوجھ ہے بلکہ وہ خود اپنے آپ پر بھی بوجھ ہے۔ ہم دوسروں کی پیدا کی ہوئی فصل کھاتے ہیں۔ دوسروں کا بنا ہوا کپڑا پہنتے ہیں اور دوسروں کے بنائے ہوئے گھر میں رہتے ہیں۔ ان تمام کی قیمت ہم اپنی محنت کی صورت میں سماج کو ادا کرتے ہیں۔ اور ایسا کرنے والے ہی مزدور (محنت کش) ہوتے ہیں۔ اور جو کوئی قیمت ادا نہیں کرتے وہ کاہل ہیں۔ محنت صرف ضرورت کے لئے ہی نہیں کی جاتی۔ اس میں مسرت بھی ہے۔ محنت کش لوگ تمام امداد باہمی کی اساس پر اپنی اپنی محنت کر رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے مشترکہ طور پر اس کے فوائد حاصل کر رہے ہیں۔ کسان ہل چلا کر فصلیں اگاتا ہے۔ مزدور اپنی کمر جھکا کر کارخانوں میں اوزار تیار کرتا ہے۔ بڑھائی دروازے کھڑکیاں و دیگر چوبنی سامان بناتا ہے۔ کمہار گھڑے بناتا ہے۔ جولاہا کپڑے بناتا ہے۔ میسن مکانات بناتے ہیں۔ اس طرح محنت کی تقسیم عمل میں آتی ہے۔
 ☆ بچو! آپ کے اطراف و اکناف میں مختلف پیشوں سے وابستہ مزدور ہوں گے۔ ان کے تعلق سے بتائیے۔

- ☆ مختلف پیشوں سے وابستہ مزدوروں کی خدمات ہمیں نہیں ملتیں تو کیا ہوتا؟ تمام پیشوں سے تعلق رکھنے والوں کو آج کے دور میں کیا مساویانہ اہمیت و عزت مل رہی ہے۔؟ کیوں؟

آج کے دور میں اپنے سماج میں مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے لوگ ہمارے ہی درمیان رہتے ہوئے غیر معمولی کام انجام دے رہے ہیں۔ عام آدمی دکھائی دینے والے ان کارگروں میں غیر معمولی صلاحیتیں چھپی ہوئی ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم ان صلاحیتوں کی شناخت کریں اور ان کی قدر کریں۔

چند ایک غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل پیشہ وروں کے تعلق سے یہاں ہم جاننے کی کوشش کریں گے۔

V - موضوع

واقعہ 1:

ہمارے سماج میں مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے لوگ ہمارے ساتھ رہتے ہوئے ایک خوشحال زندگی گزار رہے ہیں۔ تمام پیشے اک دوسرے پر انحصار کئے ہوئے ہیں۔ ایک پلنگ بنانے کے پیچھے جاننے ہو کتنے لوگوں کی محنت ہوتی ہے۔ ہر پیشہ مقدس ہوتا ہے۔ ہر پیشے میں بہت ساری محنت، محبت و ایثار چھپے ہوئے ہیں۔ روشنی دیکھ کر ہم خوش ہوتے ہیں لیکن کیا کبھی اس موسمِ بقی کے بارے میں ہم نے سوچا ہے جو اس روشنی کے لئے خود کچھلتی ہے۔

جیسے ہی موسم گرما شروع ہوتا ہے مٹی کے بنے گھڑوں اور صراحیوں کی مانگ بڑھ جاتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی ہانڈیاں و مٹی کے برتن ہماری ضروریات کی تکمیل کرتی ہیں۔ دیئے جلانے کیلئے استعمال کی جانے والی چھوٹی چھوٹی کٹوریاں بھی مارکٹ میں دستیاب ہیں۔ یہ سب کمہارے کے پہرے پر تیار ہوتے ہیں۔ یہ پہرے بھی یوں ہی تیار نہیں ہوا۔ اس کے پیچھے بڑھائی اور لوہار کی محنت و مہارتیں پوشیدہ ہیں۔ اس کی تیاری میں بڑی انجینئرنگ بھی چھپی ہے۔ اس کی دریافت حیرت انگیز ثابت ہوئی۔ اس نے سماج کی رفتار ہی بدل ڈالی۔ مٹی کے بنے ان برتنوں کے پیچھے اتنی بڑی کہانی ہے۔

اب آئیے ان گہنوں کی بات کریں جو عورتوں کی اولین پسند ہیں۔ گلے کے ہار، بازو بندھ، چوڑیاں، کان کی بالیاں، ناک کی ننھ، پیروں کی انگلیوں میں پہنے جانے والے حلقہ، کمر بندھ، گھنگرو، انگوٹھیاں وغیرہ بہت سے زیورات و گہنے ہیں جو عورتیں پہنتی ہیں۔ ایک ایک گہنے کو بڑی نزاکت سے تراشا جاتا ہے۔ خوبصورت نظر آنے والے سونے کو اور بھی خوبصورت بناتے ہیں۔ بڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ سونے کا کام کرنے والوں کو سنار کہتے ہیں۔ سونے و چاندی کو مختلف شکلوں میں ڈھالنے، ان میں ننگ جڑنے کا کام بڑا نازک کام ہوتا ہے۔ نازک و باریک چیزیں بنانے میں آنکھوں پر بہت زیادہ دباؤ پڑتا ہے۔ یعنی ہماری آنکھوں کو خوبصورت دکھائی دینے والے گہنے بنانے کیلئے سنار اپنی آنکھیں دکھاتے ہیں۔ بچو! تمہیں تعجب ہوگا یہ جان کر کہ ان کی محنت کے مساوی اجرت نہیں مل رہی ہے۔ لوہے کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرنے والے لوہار اپنی محنت و مہارت کو سماج کیلئے وقف کر رہے ہیں۔ لوہے سے ان کا بنایا ہوا اہل زمین کھودنے میں کام آتا ہے۔

اسی طرح سبل، پھاوڑا، درانتی، کلہاڑی، ہتھوڑی وغیرہ زراعت میں استعمال ہونے والے اوزار ہیں۔ اور یہ تمام چیزیں بنتی ہیں لوہار کی بھٹی میں۔

اب زرا بڑھائی کی کارکردگی دیکھیں گے۔ ہماری غذا کے لئے زمین پر ہل چلانا ضروری ہے۔ اس کے لئے ہم اوزار ہے 'ہل' انہیں بنانے والے بڑھائی ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ زراعت کیلئے دوسرے ضروری اوزار بھی ان ہی بڑھائیوں کے ذریعہ تیار کئے جاتے ہیں۔ ان اوزاروں کی بنوائی کیلئے درکار لکڑی کل درختوں سے ملتی ہے اس کا پہلے وہ جائزہ لیتے ہیں۔ پھر بڑی محنت سے اس لکڑی کو مختلف شکلوں میں ڈھالتے ہیں۔ جھاڑ کاٹنا، پھر لکڑی علیحدہ کرنا، اسے چھیلنا مسطح کرنا، الگ الگ حصوں کو جوڑنا وغیرہ۔ ایسے کئی مراحل سے گذر کر ایک پے تیار ہوتا ہے۔ بڑھائی نے سماج کو ایک اور سہولت فراہم کی اور وہ ہے۔ نیل گاڑی۔ یہ نہ صرف زراعت میں کام آتی ہے۔ بلکہ سفر کیلئے بھی کام آتی ہے۔ اس زمانے میں مکان لکڑی سے بنائے جاتے تھے۔ اس کیلئے درکار لکڑی کی پٹیاں دروازے اور کھڑکیاں وغیرہ بھی بڑھائی ہی اپنی محنت سے پرکشش بناتے ہیں۔

ان کے علاوہ ہمارے استعمال میں آنے والی کرسیاں، نجس، میز، الماریاں اور پلنگ بڑھائی ہی بناتے ہیں۔ اسی لئے انہیں چوبینہ تراش بھی کہتے ہیں۔ گھر میں استعمال ہونے والی مختلف اشیاء پر جب ہماری نظر پڑتی ہے تو ہم بڑھائی کا تصور کیے بغیر نہیں رہتے۔ ان کی مہارت و عظمت کی ہمیں قدر کرنی چاہئے۔

صبح جب ہم اٹھتے ہیں تو بچہ چپل ہم قدم باہر نہیں نکالتے۔ ان چپلوں کو بنانے والے موچی کہلاتے ہیں۔ جانوروں کی کھال اتارنا، اسے صاف کرنا، اور پھر اس سے چپل بنانا۔ ایک بیکاری شے سے اتنے بڑے کام کی چیز تیار کرنے کے پیچھے جو دماغ کام کرتا ہے وہ کوئی معمولی دماغ نہیں ہے۔ اس لئے ان کی محنت کی بڑی ہمیت ہے بلکہ کہنا چاہئے کہ ہم ان کی محنت کا مول ہی نہیں دے سکتے۔ اسی طرح سماج میں حجام کی خدمات ناقابل فراموش ہوتی ہیں۔ عوام کی صحت میں ان کی حصہ داری ہے۔ قینچی و استرے سے کئے جانے والے ان کے کام میں مہارت ہی نہیں نزاکت بھی ہے۔

ہم جن کپڑوں کو زیب تن کرتے ہیں انہیں جولا ہے تیار کرتے ہیں۔ چرتوں پر دھاگے پرونا اور پھر کپڑے بننے وقت جس مہارت کا وہ مظاہرہ کرتے ہیں اس میں بڑی محنت درکار ہوتی ہے کسی زمانے میں ہمارے ملک کے بنکر اتنی حسین ساڑھی بناتے تھے وہ تہہ کرنے کے بعد ایک میا جس کی ڈبیا میں سایا کرتی تھی۔ یہ کوئی آسان کام نہیں۔ کپاس سے دھاگا کاٹنا، اس دھاگے کو رنگنا اور پھر حسب منشاء کپڑا بننا۔ یہ ایک طویل عمل ہے۔ بھیڑوں کے بالوں کو کاٹ کر اون بنانا اور پھر اس اون سے کمبل بنانا گولیوں کا کیا جانے والا یہ کام ہمیں ٹھنڈک میں گرمی پہنچاتا ہے۔ دھویوں کی محنت عوام کو صحت بخشتی ہے۔

ہمارا کھانا، ترکاریاں و پھل وغیرہ یوں ہی آسمان سے نہیں برستے ہیں۔ یہ سب کسانوں کے پسینہ بہانے کا نتیجہ ہیں۔ جب کسان دھوپ و برسات کی پرواہ کئے بغیر دن رات محنت کرتے ہیں تب کہیں جا کر بڑے سکون سے ہم اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ آپ نے دیکھا! کتنی محنت کرتے ہیں ہمارے کسان؟ کبھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ اتنی محنت سے پیدا کی ہوئی فصل جب ہاتھ آنے والی ہوتی ہے۔ تب ہی طوفان بے وقت بارش اور ٹھنڈی ہواؤں سے سب کچھ تباہ ہو جاتا ہے۔ نہ صرف کسان کی محنت اکارت جاتی ہے بلکہ اس کی سرمایہ کاری بھی بیکار ہو جاتی ہے۔ بتائیے؟ کون اس نقصان کی بھر پائی کرتا ہے؟ کون ہے جو اس کی مدد کیلئے آگے آتا ہے۔

اس طرح اگر دیکھا جائے تو ہر پیشے میں محنت و مہارت پوشیدہ ہیں۔ ہر پیشہ مقدس ہوتا ہے۔ کسی بھی پیشے کو ہم حقیر نہیں سمجھ سکتے۔ کسی بھی گھر میں جب کوئی تہوار یا نیک کام کاج ہوتا ہے یا تقریب ہوتی ہے تو وہاں مٹی کے گھڑوں، برتن، کپڑے، زیورات وغیرہ کی ضرورت تو ہوتی ہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اتنے سارے پیشوں سے وابستہ افراد جب تعاون کرتے ہیں تب کہیں جا کر وہ تقریب انجام پذیر ہوتی ہے۔ یوں تمام افراد باہمی مدد کر لیں تو سماج آگے بڑھتا ہے۔ اگر سماج میں ہر کوئی اپنے حد تک ہی محدود رہ جائے تو سماج کی ترقی مفلوج ہو جاتی ہے۔ سماج کے اراکین میں کوئی چھوٹا بڑا یا کم زیادہ نہیں ہو سکتا۔ جیسے آنکھ، ناک، کان، ہاتھ پیر کے ملنے سے ہی جسم بنتا ہے اسی طرح فرد فرد ملنے سے ہی سماج بنتا ہے۔

آئیے! انسان کی انسان کی طرح عزت کریں۔ اس کے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں کو سراہیں اور اس اعزاز کو خود بھی پانے کی کوشش کریں۔ محنت ترقی کی عمارت کی بنیاد ہے۔ محنت میں کوئی شرمندگی نہیں۔ ہاں شرمندہ تو کابل آدمی کو ہونا چاہئے۔ محنت والی زندگی کی اپنی ایک خوبصورتی ہوتی ہے۔ یہی محنت کی قدر کرنا سیکھنا چاہئے۔ محنتی ماحول کو اپنانا چاہئے۔ محنت کرنے والوں کی قدر کرنی چاہئے۔ محنت کے بغیر سہولیات سے استفادہ کرنا لوٹ کھسوٹ ہے، ایک جرم بھی ہے۔

VI۔ (الف) سوچنا۔ رد عمل کا اظہار کرنا

- 1- سماج میں پائے جانے والے مختلف پیشوں سے وابستہ افراد کے بارے میں بتائیے۔
- 2- کیا مختلف پیشے والوں کی خدمات سماج کیلئے ضروری ہیں؟ کیوں؟
- 3- شادی بیاہ جیسی تقاریب میں مختلف پیشے والوں کے رول کی وضاحت کیجئے؟
- 4- کیا آج کے سماج میں مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے یکساں نظر سے دیکھے جا رہے ہیں یا نہیں؟ وجوہات بتائیے۔
- 5- مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے افراد کی قدر و منزلت کے بارے میں بتائیے۔
- 6- آپ کے علاقے میں کس پیشے سے تعلق رکھنے والوں کو زیادہ اہمیت حاصل ہے؟ اور کیوں؟

(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا

اپنی روزمرہ زندگی میں مختلف پیشہ وروں کی خدمات کی ستائش کیجئے اور اپنے احساسات بتائیے۔

جانیے

کروڑوں ہنر پیٹ کے لیے ہیں کہ مصداق انسان مختلف کام کر کے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ چند افراد پہاڑوں میں رہائش پذیر ہیں تو چند گاؤں اور چند شہروں میں اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔ وندھیا چل پہاڑیوں میں رہنے والے لکڑی فروخت کر کے کراپنی زندگی گزار رہے ہیں تو علاؤ اللہ پہاڑیوں میں رہنے والے شہد فروخت کر کے جی رہے ہیں۔

ساحل سمندر پر رہنے والے مچھرنے، مچھلیوں سے اپنا پیٹ پال رہے ہیں تو ہمالیہ کے علاقہ میں رہنے والے گور کھے سپاہی بن کر

ملک کی حفاظت کر رہے ہیں۔ سہیا رپہاری سلسلوں میں بسنے والے مراٹھی لوگ دودھ دینے والے مویشیوں پر انحصار کرتے ہیں۔ تو ساحلی علاقوں میں رہنے والے کسان مختلف قسم کے پھلوں کے درختوں کی افزائش کرتے ہوئے ترقی کر رہے ہیں۔

جہاں ایک طرف چند مزدور پتھر توڑ کر اپنا گزار کر رہے ہیں تو دوسری طرف سرکاری عہدیدار نظم و نسق کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کیلئے نئے نئے طریقوں کی کھوج میں اپنا سر پھوڑ رہے ہیں۔ جہاں سائنسدان کارخانوں کا نظام دیکھ رہے ہیں وہیں ماہرین قانون انصاف رسائی کے لئے کام کر رہے ہیں۔ ڈاکٹرز بیماریوں کی روک تھام میں لگے ہیں تو کسان قحط دور کرنے کی کوششوں میں منہمک ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان پیشوں میں کون سے اعلیٰ ہیں اور کون سے ادنیٰ۔ اس سوال کا جواب تملا سینتاراما مورتی یوں دیتے ہیں۔

قلم والا ہو کہ ہل والا

برابر ہے سب چاہے وہ ہو غلاظت کا اٹھانے والا
سوال کسی کو تسلیم کرنے اور کسی کو مسترد کرنے کا نہیں

پیشے تمام ہوں حاصل تو ہی ہے کام چلنے والا

یعنی قلم سے لکھنے والا عہدیدار ہو یا زمین پر ہل چلانے والا کسان ہو یا پھر غلاظت اٹھا کر زندگی گزارنے والا ہی کیوں نہ ہو۔ سب برابر ہیں۔ کسی پیشے کو کسی پیشے پر فوقیت نہیں۔ کوئی پیشہ چھوٹا نہیں اور کوئی پیشہ بڑا نہیں۔ تمام پیشے باہم حل کر کام کریں تو ہی لوگوں کی زندگیاں گذرتی ہیں۔ اس لئے ہمیں سماج میں کام کرنے والے مختلف پیشوں سے وابستہ افراد کی خدمات کو تسلیم کرنا چاہئے۔ تمام پیشے واروں کو یکساں نظر سے دیکھنا چاہئے کسی بھی ایک پیشے والوں کی کمی تمام لوگوں کیلئے مسائل پیدا کرتی ہے۔ لہذا ہمیں یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ تمام پیشے برابر ہیں۔ اور باہمی امداد سے آگے بڑھنا چاہئے۔

قولِ زریں:

محنت کے برابر پھل، لیکن ہمیں صرف محنت پر اختیار ہے پھل پر نہیں۔ اس لئے ہم اخلاص سے کام کریں۔ محنت کشوں کی قدر کریں۔ ان کے اندر پوشیدہ مہارتوں کی نشاندہی کریں اور ان کی ستائش کریں۔

بزرگوں کی خدمت

14

I- اہم قدر

: خدمت کا جذبہ

II- ذیلی قدر

: بزرگوں کے تئیں خدمت کا جذبہ رکھنا

III- مقاصد، مطلوبہ نتائج

: ☆ بزرگوں پر ہونے والے تشدد سے واقف ہوں گے۔

☆ بزرگوں کو بہم پہنچائی جانے والی امداد سے واقف ہوں گے۔

IV- تمہید

: آج کے دور میں انسان کی اوسط عمر میں اضافہ کی وجہ سے بزرگوں کی تعداد میں افزوں اضافہ ہوتا جا رہا

ہے۔ برے برے عہدوں پر فائز ہونے کے باعث بچوں کے پاس بے تحاشہ پیسہ ہوتا ہے۔ ایک تصور یہ بھی آچکا ہے کہ پیسہ ہو تو کچھ بھی خریدا جاسکتا ہے۔ لہذا اپنا رنج و اخلص کو بالائے طاق رکھ کر اور پیسے کی پروا کئے بغیر بے سہاروں کیلئے بنائے گئے سرایوں میں پناہ لی جا رہی ہے۔ اگر عورتوں میں ہمدردی و خلوص ہو تو یہ مسائل نہیں پیدا ہوتے۔ چند لوگ ماں باپ کی خدمت کرنا بھی چاہیں تو ان کی بیویاں جو دوسرے گھروں سے آتی ہیں تعاون کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ گھر میں جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں، مسائل پیدا ہوتے ہیں اور بد امنی پیدا ہو جاتی ہے۔ بظاہر وہ لوگ خوش نظر آنے کی کوشش کرتے ہوں لیکن حقیقت یہ ہوتی ہے کہ وہ چین و سکون سے زندگی بسر نہیں کرتے۔

مشترکہ خاندانوں کا زوال، نوجوانوں کا روزگار کے سلسلے میں بیرون ملک جانا میاں بیوی دونوں کے ملازمتوں میں مصروف ہونے کے سبب وہ اپنے بزرگوں کی خدمت کیلئے وقت نہیں دے پارہے ہیں۔ یہ بزرگ نہ تو اکیلے رہ سکتے ہیں اور نہ ہی گھریلو ذمہ داریاں نبھاسکتے ہیں۔ بے یار و مددگار نہیں بستر پر پڑے پڑے اپنا وقت گزارنا پڑتا ہے۔ افراد خاندان کی توجہ سے محروم ان لوگوں کیلئے بیت المعمور کی ضرورت آن پڑی۔ افراد خاندان کو چاہے کہ وہ خدمات سے سبکدوش ہونے والے اپنے بزرگوں، ضعیفوں، ناتوانوں، غیر شادی شدہ بڑی عمر کے لوگوں، بستر پر پڑے فالج کے مریضوں و دماغی

مریضوں پر خاص توجہ دیں۔ بدلی ہوئی طرز زندگی کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے اور اپنے اندر جسمانی و ذہنی دباؤ کا مقابلہ کرنے کیلئے خود اعتمادی پیدا کرنے میں ہمیں ان بزرگوں و معذورین کی مدد کرنی چاہئے تاکہ وہ اپنی باقی ماندہ زندگی چین و سکون سے گزار سکیں۔

V- موضوع

واقعہ نمبر 1:

جانی میاں ایک بزرگ ہیں۔ بچے ان کی صحیح دیکھ بھال نہیں کرتے۔ ذرا سی بات پر انہیں دھمکی دی جاتی ہے کہ انہیں اولڈ ایج ہوم (بیت المعمرین) میں داخل کر دیا جائے گا۔ اپنی بیوی کی موت کے بعد وہ نہیں چاہتے تھے کہ اپنے خاندان سے دور رہیں۔ اس لئے وہ ان تمام رسوائیوں کو برداشت کرتے ہوئے اپنی زندگی گزار رہے تھے۔

واقعہ نمبر 2:

آمینہ بی کا بیٹا ہمیشہ ان سے پیسے طلب کرتا تھا۔ وہ انہیں دھمکایا کرتا تھا کہ پیسے دینا ہے یا مرنا ہے۔ بہو اپنے شوہر کا ساتھ دیا کرتی۔ جھگڑا تھا تو جائیداد بیٹے کے نام کرنے کا سدھی بھی اس معاملہ میں اپنی مداخلت کرتا تھا۔ بے چاری آمینہ بی اپنے دکھ میں گھلتی رہتیں تھیں۔ تو کیا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ سب ماں باپ شریف ہوتے ہیں؟ اور یہ کہ تمام بچے بد معاش؟ یہی واقعات نہیں بلکہ بوڑھوں پر ظلم و زیادتی کرنے یا تکلیف پہنچانے کے کئی ایک واقعات آئے روز دیکھنے اور سنتے میں آتے ہیں۔ ان کے استھ مار پیٹ کرنا، پلنگ پر باندھنا، گھر کے ہر کمرے میں ان کا داخل ہمنوع ہونا، گالی گلوں کرنا، ان پر چلانا، غیر غلط القاب سے انہیں پکارنا، ان کی غلطیاں چننا، دل کو ٹھیس پہنچانے والی باتیں کرنا، تنہا چھوڑ دینا، جائیداد چھین لینا، سونے و چاندی کے گہنے چھین لینا، چیزیں چرائینا، جبراً وصیت لکھوا لینا اور اسی طرح کے کئی ایک مظالم ہیں جو بزرگوں پر ڈھائے جا رہے ہیں۔

واقعہ نمبر 3:

رفیق اور سلیمہ کی جملہ پانچ اولادیں ہیں۔ ان میں سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں۔ جو کچھ ان کے پاس تھا وہ سب کچھ انہوں نے بچوں کی پرورش، ان کے روزگار اور ان کی شادیوں پر خرچ کر دیا۔ تمام فرائض کے تکمیل تک ان کی جوانی جاتی رہی اور بڑھاپے نے انہیں آدبوچا۔ جو کچھ تھوڑی بہت جائیداد اور مکان تھا وہ بھی بیٹوں نے بانٹ لیا۔ ماں باپ کے لئے کچھ نہ چھوڑا۔ ان کا کہنا تھا کہ ان کی دیکھ بھال کرنے کیلئے جب وہ لوگ ہیں تو پھر ماں باپ کو جائیداد کے لئے کچھ نہ چھوڑا۔ ان کا کہنا تھا کہ ان کی دیکھ بھال کرنے کیلئے جب وہ لوگ ہیں تو پھر ماں باپ کو جائیداد کی کیا ضرورت ہے۔ اب ہر ماہ باری باری ایک بھائی باپ کو تو دوسرا بھائی ماں کو اپنے ساتھ رکھ کر ان کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ بے چارے ماں باپ، میاں بیوی ہونے کے باوجود عمر کے اس دور میں ایک دوسرے کی رفاقت سے محروم ہیں۔ وہ اپنا دکھ سکھ ایک دوسرے کے ساتھ بانٹ بھی نہیں سکتے۔ ایک دوسرے بات بھی نہیں کر سکتے۔ بس زندگی کے دن گزارتے جا رہے ہیں۔

VI۔ سوچنا۔ ردعمل کا اظہار کرنا

- 1- جن واقعات کا ہم نے ذکر کیا کبھی اپنے واقعات اپنے گھر اپنے اطراف و اکناف میں یا پھر سڑک پر آپ دیکھیں گے تو آپ کیسا محسوس کریں گے؟
 - 2- بزرگ لوگ جب کسی مصیبت میں ہوتے ہیں تو آپ ان کی کس طرح مدد کریں گے۔
 - 3- آپ کیوں سمجھتے ہیں کہ آپ کو بزرگوں کی خدمت کرنی چاہئے؟
 - 4- کیا آپ نے کبھی بوڑھوں اور ضعیفوں کی خدمت کی؟ کیسی خدمت کی؟ اس وقت آپ نے کیسا محسوس کیا؟
 - 5- چند لوگ بزرگوں کے لئے بیت المعمورین چلا رہے ہیں؟ اس قسم کے آشرموں کے تعلق سے آپ کی کیا رائے ہے؟
 - 6- بوڑھے ماں باپ کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر کے ان کی دیکھ کرنا کہاں تک درست ہے؟
 - 7- آپ کے علاقے میں بزرگ کسی قسم کی تکالیف میں مبتلا ہیں؟ بتائیے۔ ان تکالیفات کی وجوہات کا تجزیہ کیجئے۔
- (ب) عمل کیجئے۔ تجربات بیان کیجئے۔

- 1- ایک ہفتہ تک اپنے گھر یا محلہ یا روڈ پر یا بزرگوں کے بیت المعمورین، آشرم جا کر ضعیف افراد کی خدمت کیجئے اور اپنے تجربات تحریر کیجئے۔

جانے

بزرگوں کی فلاح و بہبود پر توجہ دینی چاہئے۔

چار پانچ دہوں تک افراد خاندان کے روشن مستقبل کیلئے اور سماج کی ترقی کیلئے بطور خاص کوششیں کرنے کے بعد بڑھاپے میں داخل ہونے والے افراد کا اپنی زندگی کو عذاب سمجھنے والے حالات کا ہمارے سماج میں رونما ہونا یقیناً افسوس ناک بات ہے۔ ہندوستان کے نظام خاندان میں بزرگوں کا ایک کلیدی رول ہے۔ حال حال تک خاندان کے بڑے بزرگ، خود سماجی اقدار کے پابند ہوتے ہوئے ہماری تہذیب و روایات کے تحفظ کیلئے وقتاً فوقتاً اپنے افراد خاندان میں شعور پیدا کرتے ہوئے ان کی رہنمائی کیا کرتے تھے۔ اپنے اطراف و اکناف میں اگر کوئی مایوس ہو جاتا یا پست ہمت ہو جاتا تو یہی بزرگ اس کو سمجھاتے اور اس میں خود اعتمادی پیدا کرتے ہوئے اسے پھر سے کام کی طرف راغب کرتے۔ گھر میں جب بڑے بزرگ ہوتے تو خاندان کے باقی افراد بے فکر ہو جایا کرتے تھے۔

گھر میں ایک بڑے آدمی کا ہونا ان سب کیلئے باعث طمانیت ہوتا۔ لیکن آج حالات یکسر بدل گئے ہیں۔ خاندان کا نظام تہس نہس ہو چکا ہے۔ ملازمت اور کام کے سلسلے میں سب اپنے اپنے راستے باہر نکل پڑتے ہیں۔ نوجوان جوڑے (میاں بیوی) گھر میں بڑوں کی موجودگی کو اپنی خوشیوں کے راستے میں رکاوٹ تصور کر رہے ہیں۔ ماں باپ کی صحت اور انکی ضروریات کا خیال رکھنا ایک بوجھ سمجھا جا رہا ہے۔ شادی ہوتے ہی بیویاں اپنے شوہروں سے الگ چولہے کا مطالبہ کرتے ہوئے انہیں تنگ کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ ان حالات میں ماں باپ اور بوڑھوں کی زندگی دو بھر ہوتی جا رہی ہے۔ اب ان کی فلاح و بہبود کی ذمہ داری حکومت پر آ رہی ہے۔ آج تک خاندان میں ہر ایک کی ضروریات کی تکمیل کرتے ہوئے سب کے لئے سہارہ بنے رہنے والے خود اچانک سہارے سے محروم ہو کر لا پرواہی کا شکار ہو جائیں تو اندازہ کیجئے کہ ان کی ذہنی کوفت کا کیا عالم ہوتا ہوگا۔ بدلتے ہوئے سماجی اقدار کے پیش نظر سب سے پہلے واجپائی کی زیر قیادت این ڈی اے حکومت نے 1999ء میں ماں باپ کی نگہداشت اولاد کی ذمہ داری ہے۔ اگر بچے اس ذمہ داری کو پورا نہیں کرتے ہیں تو ماں باپ کو عدالت سے رجوع ہو کر ان کی آمدنی سے اپنے حصے کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس کیلئے مختلف سطحوں پر خصوصی ٹریبونل کے قیام کی بھی اس قانون نے گنجائش فراہم کی ہے۔

دستور ہند کے آرٹیکل 41 کے تحت معاشی طور پر کچھڑے ہوئے بوڑھے بزرگ و معذورین کی بہبود حکومت کی ذمہ داری ہے۔ حکومت کو چاہے کہ ان کے تحفظ کیلئے ضروری اقدامات کرے۔ مگر حقیقت کچھ اور ہے۔ اگرچہ یہ قانون 2007ء میں پاس کیا گیا لیکن اس پر عمل آوری کے لئے درکار بجٹ فراہم نہیں کیا جا رہا ہے۔ تقریباً ہر سیاسی پارٹی بوڑھے بزرگوں کی بہبود سے اس قدر لا پرواہ ہو چکی ہے کہ وہ اس موضوع کو اپنے انتخابی منشور میں بھی شامل نہیں کرتی۔

اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ بزرگوں کو سیاسی طور پر اہمیت کا حامل نہیں سمجھا جا رہا ہے۔ ہماری آبادی میں یہ لوگ 10% ہیں۔ رائے دہی کا حق رکھنے والوں میں یہ لوگ 20% ہیں۔ اس کے علاوہ گھر کے بڑے بزرگ ہونے کے ناطے وہ خاندان کے دوسرے افراد کو بھی سیاسی طور پر متاثر کر سکتے ہیں۔ آندھرا پردیش سینئر سینیٹرز فیڈریشن کے صدر سی ایچ پرمیشور ریڈی نے کہا کہ تمام سیاسی پارٹیوں کو ان بزرگوں کی اس اہمیت کو تسلیم کرنا چاہئے۔ ان کی کوششیں یہی ہے کہ مستقبل قریب میں ہونے والے انتخابات میں تمام سیاسی پارٹیاں بزرگوں کے تحفظ و بہبود کیلئے واضح تجاویز اپنے اپنے الیکشن منشور میں شامل کریں۔ برسوں پہلے اندرا گاندھی قومی وظیفہ پیرانہ سالی کی اسکیم شروع کی گئی تھی جس کے تحت مرکزی حکومت کسی گھر میں دو بزرگ ہوں تو ماہانہ -/200 روپے وظیفہ دیتی ہے۔ یہ رقم آج کی معیار زندگی میں کسی بھی لحاظ سے کافی نہیں ہے۔ ٹاملناڈو، دہلی، ہریانہ و مدھیہ پردیش میں ایک ہزار روپے تک دیئے جا رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ سارے ملک میں -/1000 روپے وظیفہ ادا کیا جائے۔ وظیفہ کی یہ سہولت صرف خط غربت کے نیچے B.P.L زندگی گزارنے والے خاندانوں ہی کیلئے لاگو ہوتی ہے۔ این ڈی اے حکومت نے سینئر سینیٹرز کیلئے ریلوے کرایوں میں رعایت دی ہے۔ فی الحال عورتوں کو 50% اور مردوں کو 40% کرایوں میں رعایت دی جا رہی ہے۔

جب کہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ سب ہی کیلئے کرایوں میں 50% کی چھوٹ دی جائے۔ اسی طرح R.T.C بسوں میں بھی کرایوں میں بزرگوں کیلئے 50% رعایت کی مانگ کی جا رہی ہے لیکن حکومت تلنگانہ نے اب تک اس مطالبہ پر سنجیدگی سے غور ہی نہیں کیا۔ جبکہ کرناٹک، دہلی، ہریانہ، مہاراشٹر اور راجستھان کی حکومتوں نے بزرگوں کے لئے یہ رعایت پہلے ہی سے فراہم کر رکھی ہے۔

اگرچہ کہ R.T.C بسوں میں سینئر معمرین کیلئے دو یا تین سیٹیں مختص کی جاتی ہیں۔ لیکن ان پر عمل آوری صرف حیدرآباد ہی تک محدود ہے۔ باقی اضلاع میں اس پر برائے نام ہی عمل کیا جاتا ہے۔ یہاں اگر بزرگ مسافر آجائے تو وہ سیٹ ان کیلئے خالی نہیں کی جاتی۔ ضرورت ہے کہ اس پر سختی کے ساتھ عمل کیا جائے۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے والوں اور خطِ غربت کے نیچے زندگی گزارنے والے خاندانوں کو آرگنیزیشن کے تحت مفت علاج و معالجہ کی سہولت فراہم کی جا رہی ہے۔ مگر متوسط طبقہ سے تعلق رکھنے والے بزرگوں کو یہ سہولت دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے اپنے علاج و معالجہ کے لئے وہ بڑی مصیبتیں اٹھا رہے ہیں۔ اگر انہیں بھی یہ سہولت دستیاب کی جائے تو حکومت پر جو زائد بوجھ عائد ہوگا وہ 30 کروڑ سے بھی کم ہوگا۔ آج کے دور میں اگر خاندان میں ایک بھی فرد کسی بڑی بیماری میں مبتلا ہو جائے تو سارا خاندان اس سے متاثر ہو جاتا ہے۔ اس لئے آرگنیزیشن کی اس اسکیم کا اطلاق تمام بزرگوں پر کیا جانا چاہئے۔

اس کیلئے 2007ء میں وضع کئے گئے قانون ماں باپ کی دیکھ بھال و بہبود پر عمل آوری کیلئے درکار قومات کو بجٹ میں فراہم کیا جانا چاہئے۔ اس قانون کے تحت حکومت کو ہر ضلع میں ایک سینئر سٹیٹنس ہوم قائم کر کے اسے خود چلانا چاہئے۔ اپنی اولاد کی لاپرواہی کا شکار ہونے والے ماں باپ کی دادرسی کے لئے خصوصی ٹریبونل قائم کئے جانے چاہیں۔ اس کے علاوہ اگر کوئی بزرگ کسی تنازعہ کو لیکر اس کے حل کیلئے عدالت کا سہارا لے تو ترجیحی بنیاد پر ان کی فوری سنوائی کرتے ہوئے انہیں جلد سے جلد قانونی مدد بہم پہنچائی جانی چاہئے۔

آج ہم کہیں بھی جائیں، لمبی لمبی قطاریں ہم دیکھتے رہتے ہیں۔ خاص طور پر دو خانوں، ریلوے، بس بنگ سنٹرس، بجلی کابل بھرنے کے مراکز وغیرہ پر لمبی لمبی قطاروں میں زیادہ دیر تک بزرگ لوگ ٹھہر نہیں سکتے ہیں۔ ان مقامات پر بزرگوں کے لئے خصوصی قطاریں ہونی چاہئیں اور ان کے کاموں کو فوری نپٹانے کی کوششیں کرنی چاہئے۔ اسی طرح ایکشن کے وقت بھی رائے دہی کے مراکز پر لمبی لمبی قطاریں ہوتی ہیں۔ اگر یہاں بھی ان بزرگوں کو خصوصی قطار میں ٹھہرا کر انہیں جلد سے جلد ووٹ ڈالنے کی سہولت فراہم کی جائے تو یہ ان کیلئے بڑی راحت ہوگی۔ کسی نہ کسی کام سے شہر آنے والے گاؤں کے بزرگوں کو دفاتر و دوکانات کیلئے دور دور تک چلنا پڑتا ہے۔ ایک طرف ٹرافک اور دوسری طرف لمبی لمبی مسافت سے بزرگ تھک جاتے ہیں۔ اس لئے جگہ جگہ ان کیلئے شیلٹرز بنائے جائیں تو وہ وہاں تھوڑی دیر کیلئے ٹھہر کر اپنی ٹکان اتار سکتے ہیں۔ غرباء کے محلوں میں بھی بزرگوں کیلئے آرام کرنے کے سنٹرس قائم کرتے ہوئے وہاں انہیں ہلکی پھلکی کسرت کرنے کی سہولت، اخبار ریڈیو اور ٹی وی کے سہولتیں فراہم کی جانی چاہئے تاکہ وہ ہنستے کھیلتے وقت گداری کر سکیں۔

سرکاری دو خانوں میں بھی خصوصی وارڈس کا قیام عمل میں لاتے ہوئے بزرگوں کو ضروری طبی امداد بہم پہنچائی جانی چاہئے۔ اب

تک کھلے میدانوں میں ریڈیو کی سہولت ہو کر تھی لیکن اب وہ کہیں نظر نہیں آتی۔

سماجی سطح پر اگر رعایت فراہم کی جائے تو یہ ان کے بڑی راحت کا سامان ہوگا۔ این ڈی۔ اے حکومت کے دور ہی میں سینیٹر سٹیزن کے بنک اکاؤنٹس پر اضافہ سود ادا کرنا شروع کیا۔ سردست یہ شرح سود آدھا فیصد زائد ہے۔ سینیٹر سٹیزن کیلئے اکاؤنٹ پر ادا کی جانے والی اس زائد شرح سود کو ایک (1) فیصد تک بڑھانے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ ہر طرف شرح سود کے گرجانے کے اس دور میں بزرگوں کے کھاتوں پر زائد ادا کی جانے والی یہ شرح ان کے لئے بہت بڑی امداد ہے۔ بزرگ زیادہ تر اپنی اولاد کی بے توجہی کا شکار ہو کر ذہنی کوفت میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ ان میں اس قسم کی کیفیت کو ختم کرنے کی سمت ہماری کوششیں ہونی چاہئے۔ شہریوں کے سماجی اداروں اور رضا کارانہ اداروں کو ایسی کوششیں کرنی چاہئے۔ ایک عزت دار زندگی گزارنے کیلئے بزرگوں میں ضرورت پڑنے پر ان کی باز آباد کاری کرتے ہوئے انہیں ضروری امداد پہنچانے کی کوششیں کی جانی چاہئے تاکہ ان میں خود اعتمادی پیدا ہو سکے۔ اگرچہ حکومت آندھرا پردیش نے 2005ء میں حکومت ہند کی سینیٹر سٹیزن کیلئے وضع کی گئی قومی پالیسی کو پوری طرح تسلیم کرتے ہوئے اسے اپنے لائحہ عمل میں بھی شامل کیا لیکن اس پر عمل آوری ابھی تک ندر ہے جو کہ ایک افسوس ناک بات ہے۔ ریاستی حکومت کو چاہئے کہ بزرگوں کے تئیں اپنے سیاسی عزم کا ثبوت دیتے ہوئے ان کی بھلائی و دیکھ بھال کیلئے درکار رقم بجٹ میں شامل کرے۔ چونکہ یہ الیکشن کا سال ہے تو مختلف سیاسی پارٹیاں عوام کو رجھانے و لبھانے کی کئی ایک انتخابی وعدے کرتی ہیں۔ ہم یہ امید کرتے ہیں کہ سینیٹر سٹیزن کی بھلائی و دیکھ بھال کیلئے بھی غور کرتے ہوئے کچھ اچھی تجاویز کے ساتھ وہ آگے آئیں گیں۔

بزرگوں کی تئیں جذبہ خدمت

انسانیت ہی ہمارا آلہ کار

بچو! اسلامی تاریخ میں بھی بہت سے واقعات ہیں جن سے اس زمانے کی اولاد کا اپنے والدین کے تئیں ایثار نظر آتا ہے۔ ماں باپ چاہے کتنے ہی سخت گیر موقف اختیار نہ کر لیں بچے اف تک نہیں کرتے تھے۔

نیند سے بیدار ہو کر ایک ماں نے اپنے بیٹے کو آواز دی اور پانی لانے کیلئے کہا بیٹا جب پانی لیکر پہنچا تو دیکھتا ہے کہ ماں کو دوبارہ نیند آ چکی ہے۔ فرمانبردار بیٹے نے ماں کو آواز تک نہیں دی کہ کہیں اس کی آنکھ نہ کھل جائے۔ اپنی نیند گنوا کر وہ اسی طرح ماں کے پیروں کے پاس کھڑا رہا کہ پتہ نہیں ماں کب نیند سے بیدار ہو جائے اور پانی مانگ لے۔

بوڑھی ماں کو اپنے کاندھوں پر بٹھا کر جگ کروانے والے بیٹے کے تعلق سے بھی ہم نے پڑھا ہے۔ ہماری مقدس کتاب قرآن مجید میں بھی کئی ایک مقامات پر ماں باپ کی خدمت کی تاکید آئی ہے۔ حکم ہے کہ انہیں اف تک نہ کہا جائے۔ ماں کی قدموں کے نیچے جنت بتائی گئی ہے۔ اور باپ کو جنت کا دروازہ قرار دیا گیا ہے۔

ماں باپ

دل ہے کعبہ ارے نادان تو کعبہ کو نہ ڈھا
 اپنے ماں باپ کا تو دل نہ دکھا دل نہ دکھا
 میرے مرشد میر آقا میرے مولیٰ نے کہا
 اپنے ماں باپ کا تو دل نہ دکھا دل نہ دکھا
 ماں کی دل شکنی کی ہر گز نہ حماقت کرنا
 باپ کی تو نہ مشقت کو اکارت کرنا
 ہوں وہ راضی تو تبھی ہوگا خدا بھی راضی
 ان کو ناراض کریں یہ نہ جسارت کرنا

عطاء الرحمن عطاء

اقوال زریں:-

- 1- خوف زدہ کو ہمت دلانا، بیمار کو دوا دینا، طالب علم کو علم دینا بھوکوں کو کھانا کھلانا خیرات کی بہترین صورتیں ہیں۔
- 2- خیرات سے عشرت، بزرگوں کی خدمت سے علم اور عدم تشدد سے طو العمری نصیب ہوتے ہیں۔
- 3- انسان کی بربادی کا وقت تب شروع ہوتا ہے جب اس کے والدین اس کے غصے اور ناراضگی کے خوف سے اپنی ضرورت بتانا اور نصیحت کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔
- 4- ماں کے پاس جا کر بیٹھ جایا کرو کیونکہ ماں کے ساتھ گزارا ہوا وقت قیامت کے دن نجات کا باعث بنے گا۔

ہمدردی

15

I- ہم قدر: مساوات، بھائی چارگی، عورتوں کے تئیں جذبہ احترام

II- ذیلی قدر: ہمدردی کے حامل اقدار کے تعلق سے جانیں گے۔

III- مقاصد/مطلوبہ نتائج:

☆ اوروں کی تکلف کو اپنی تکلیف سمجھنا، اوروں کو اپنا درد سمجھتے ہوئے دست تعاون دراز کرنے کے لیے ذہنی طور پر طلباء کو تیار کرنا۔

☆ طلباء مسائل کے تئیں مثبت رد عمل کے عادی ہوں گے۔

IV- تمہید:

ہمارے اطراف و اکناف میں کئی لوگ کئی قسم کے حادثات کا شکار ہوتے ہیں۔ کئی مسائل کا سامنا کرتے رہتے ہیں کبھی کبھی آفات سماوی کی وجہ سے آگ لگ جانے سے اور سیلاب میں ہمارے ساتھی بہت کچھ کھودیتے ہیں۔ اس وقت ان کے دکھ میں شریک ہوتے ہوئے ان کے ساتھ گزارا ہوا ہمارا وقت بھی ان کے بہت کام آتا ہے۔

V- موضوع

واقعہ نمبر 1. ضلع نلگنڈہ میں اناورگوٹم نامی ایک گاؤں ہے۔ اس گاؤں میں امیر، غریب ہر طبقہ کے لوگ مل جل کر زندگی گزارتے ہیں۔ وہ 1972 کے گرما کا ایک دن تھا۔ اچانک ایک چولہے سے جو بجھایا نہیں گیا تھا۔ ایک چنگاری ہو میں اڑی اور قریبی گھاس کے ایک ڈھیر میں جاگری۔ دیکھتے ہی دیکھتے گھاس کا وہ ڈھیر شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ آگ اس ڈھیر سے گھاس کے پھر تیسرے چوتھے ڈھیر سے ہوتے ہوئے گھاس پھوس کی ایک جھونپڑی تک پہنچ گئی۔ اور پھر یکے بعد دوسری جھونپڑی اور گھر سلگنے لگے۔ لوگوں میں ہا کار مچ گئی۔ ہر طرف سے مدد کے لیے سدا نیں آنے لگیں۔ بلاتاخیر تمام لوگ بلا لحاظ مذہب و ملت، غریب و دولت مند، بوڑھے و جوان مرد و خواتین بجلی کی سی رفتار سے حرکت کرتے ہوئے پانی ڈھوتے ہوئے آگ پر قابو پانے و بچاؤ کے کام میں لگ گئے۔ سب سے پہلے آگ میں گھرے پڑے بوڑھوں کو بچوں کو اور پالتو جانوروں کو کھینچ کر باہر نکالا گیا۔ اس کے بعد گھاس کے ڈھیروں کو گھروں کو پوری طرح خاکستر ہونے سے بچالیا گیا۔ ان کی اس برجستہ کوششوں کے نتیجے میں جانی نقصان کو تو روکا ہی گیا ساتھ ہی ساتھ مالی نقصان بھی کم سے کم ہوا۔ یہی نہیں بلکہ جانوروں کا جو بچا کچا چارہ تھا وہ بھی وہاں کے لوگوں نے آپس میں بانٹ لیا اور کسی طرح وہ سال ان لوگوں نے بخوبی گزار دیا۔

واقعہ نمبر 2. بچو! تم سب نے محمد رفیع کا نام تو سنا ہوگا۔ سروں کے شہنشاہ محمد رفیع ایک مشہور گلوکار تھے جنہوں نے اپنی میٹھی آواز میں مختلف زبانوں کے ہزاروں نغمے گائے۔ یہ بہت ہی خدا ترس طبیعت کے مالک تھے۔ دوسروں کی تکلیف پر یہ تڑپ اٹھتے تھے۔ 31 جولائی 1980ء کو داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے محمد رفیع نے اپنی حیات میں بہت سے نیک کام کیے۔ ہر سال موسم سرما میں انکا یہ معمول تھا کہ وہ رات میں اپنی کار میں کمبل بھر کر باہر نکلتے اور خون منجمد کردینے والی سردی میں فٹ پاتھ پر دکانوں کے سامنے سوئے ہوئے بے سہارا ولا چار غریبوں پر کمبل اوڑھادیتے اور آگے بڑھ جاتے اور وہ یہ کام کچھ اس طرح کرتے کہ گرم کمبل سے صبح جب وہ غریب اپنا چہرہ باہر نکالتا تو اسے پتہ بھی نہیں چلتا کہ اس کا محسن کون ہے۔

واقعہ نمبر 3. آپ اخبار بینی تو کرتے ہوں گے۔ جب بھی کوئی آفات سماوی و عرضی کا قہر پاتا ہے تو آپ نے متاثرین کے لیے چندہ اکٹھا کرتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ اخبار میں بھی پڑھا ہوگا۔ ایسی ہی ایک کوشش ادارہ سیاست والے بھی کرتے آرہے ہیں۔ ان کے ہاں باضابطہ ایک ریلیف فنڈ قائم کیا جاتا ہے۔ اور اہل خیر حضرات سے متاثرین کے لیے امداد طلب کی جاتی ہے۔ اور جمع کئی گئی یہ رقم ان کی باز آباد کاری اور ان کی ضرورتوں کی تکمیل پر خرچ کی جاتی ہے۔

مندرجہ بالا چند واقعات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کس طرح کچھ لوگ اوروں کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھ کر ان سے جو پن پڑے اپنا فرض سمجھ کر ادا کرتے جا رہے ہیں۔

VI۔ (الف) سوچنا، رد عمل ظاہر کرنا

1. انا اورم گوڑم کے لوگوں نے آگ کے حادثہ میں کس طرح نقصان کو زیادہ ہونے سے بچایا؟
2. اگر اس وقت تم وہاں ہوتے تو کیا کرتے؟
3. محمد رفیع صاحب راتوں میں جا کر غریبوں میں کمبل وغیرہ کیوں بانٹا کرتے؟
4. آفات سماوی و عرضی کے واقع ہونے پر یا اپنے قریب کوئی حادثہ ہوا ہو تب آپ نے کیا کیا؟
5. مندرجہ بالا واقعات سے آپ کیا سبق سیکھتے ہیں؟
6. مصیبت میں پھنسے لوگوں کی مدد کرتے وقت آپ نے کیسا محسوس کیا؟
7. مدد لینے والوں کا رد عمل کیسا تھا؟
8. ایسا کوئی واقعہ ہو تو بیان کیجیے جب آپ نے دوسروں کی ہمدردی کا مظاہرہ کیا ہو؟ آپ نے کیا محسوس کیا؟
9. سردی میں کانپتے ہوئے کتے کے بچے کو آپ اگر نزدیک لیں اور اس کی مدد کریں تو وہ کیسا محسوس کرے گا اگر اس کی زبان ہوتی تو وہ کیا کہتا؟
10. دودھ پیتے ہوئے پھڑے کو اس کا پیٹ بھرنے سے پہلے اس کی ماں ”گائے“ سے الگ کر دیا جائے تو آپ کیسا محسوس کریں گے؟

(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا

1. اگر ہم میں ہمدردی کا جذبہ نہ ہو تو کیا ہوتا ہے؟
2. ہمدردی پر مبنی ناقابل فراموش واقعات بیان کیجیے

جانیے

اوروں کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھ کر دست تعاون دراز کرنا ہی ہمدردی ہے۔ آج کے دور میں انسانوں میں مفاد پرستی بڑھتی جا رہی ہے۔ میں، مجھے اور میرے اپنے جیسے تصورات روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں۔ ہماری مدد چاہنے والے اور ہم سے امید لگائے بیٹھے ہوئے افراد ہمارے اطراف و اکناف میں ہمیں ہر روز نظر آئیں گے۔ ایسی صورت میں اپنی تمام تر نیچکیا ہٹ کو بلا طاق رکھ کر اسے اپنی اپنی تکلیف سمجھتے ہوئے ہمیں ان کی مدد کے لیے آگے بڑھنا چاہیے۔ یہی ہماری ہمدردی ہے۔ ہمدردی کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ اس کا اپنا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ قوم نہیں ہوتی۔ امیر غریب کا فرق نہیں ہوتا۔ صرف مدد کرنے والا دل چاہے؛ اس تکلیف کا احساس ہونا چاہیے۔ اگر ہم اپنے اطراف و اکناف پر نظر ڈالیں تو ہمیں ایسے واقعات بھی ملیں گے جہاں وحشی جانوروں نے ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی دکھائی۔ پھر انسان تو اشرف المخلوقات کہلاتا ہے۔ ذرا غور کیجیے! ہمدردی کا یہ جذبہ اس کے پاس کتنا ہونا چاہیے۔

کھلی ہوئی مٹھی

بچے کی بھوک ماں سمجھتی ہے ماں صرف اپنے بچے ہی کی نہیں دوسرے بے سہارا بچوں کی بھوک بھی سمجھ سکتی ہے۔ اس گاؤں کی عورتوں کو خیال آیا کہ کیسے ہم دوسروں کی مدد کر سکتے ہیں؟ حالانکہ وہ اتنی حیثیت کے مالک بھی نہیں تھے۔ پھر بھی انہوں نے سوچا کہ کسی طرح ایک مٹھی اناج ضرورت مند کے لیے ہر روز اکٹھا کر رکھا جائے۔ یہی ایک راستہ انہیں دکھائی دیا۔ اگر مٹھی بند کی جائے تو ایک تحریک بن جاتی ہے۔ اور اگر کھول دی جائے تو انسیت بن جاتی ہے۔ غمخواری بن جاتی ہے۔ اس سے دکھوں کو بانٹ لیا جاسکتا ہے انہوں نے اپنی مٹھی کھول دی۔ اپنے پاس جو بھی کھانے کے لیے ہوتا۔ اس میں سے ایک مٹھی دانے وہ تقسیم کرنے لگے۔ کوئی چیز ہم دوسروں کو دیں تو یہ مدد کہلاتی ہے لیکن اسے آپس میں بانٹ لیں تو یہ انسانیت ہے۔

چتہ گد ملی وشا کھا پنٹم کا وہ علاقہ ہے جہاں نچلے متوسط طبقے کے لوگ رہتے ہیں ہر گاؤں کی طرح اس گاؤں میں بے سہارا لوگ رہتے تھے۔ اپنی اولاد سے دور ہوئے لوگ تھے ان میں۔ چند بے سہارا ضعیف بزرگ تھے۔ معذورین تھے یہ سب بھوک سے تمللا رہے تھے۔ ان کی بھوک عورتوں سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔ انہوں نے سوچا کہ ان کے لیے وہ کیا کر سکتی ہے۔ یہ کوئی دس سال پہلے کی بات ہے۔ کوئی پچیس بے سہارا افراد تھے وہاں۔

پتہ نہیں کہاں سے آئے تھے وہ۔ کسی کی اولاد تھے وہ۔ کوئی نہیں تھا جنہیں وہ اپنا کہہ سکے۔ بس ایک ایک گھونٹ کے لیے ایک ایک لقمہ کے لیے ترس رہے تھے۔ گاؤں کی عورتوں نے انہیں سہارا دینے کا فیصلہ کیا۔ انہیں کم سے کم روزانہ ایک وقت کھلانے کا فیصلہ

کیا گیا۔ ایک مندر کے قریب انہوں نے پکانے اور کھلانے کی بات سوچی۔ جب یہ بات مندر انتظامیہ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے بھی خوشی سے اس کی اجازت دے دی۔ اب عورتوں کی باری تھی مالک کے نام پر انہوں نے روزانہ ایک مٹھی اناج ایک برتن میں جمع کرنا شروع کر دیا۔ ابتداء میں یہ عمل کوئی پچاس گھروں میں روزانہ چلنے لگا۔ پچائے گئے اناج سے پہلے پہل ہفتہ میں ایک یا دو بار کھانا پکا کر ان بے سہارا کو کھلایا جانے لگا۔ اس طرح کھانے کی خیرات کا سلسلہ چل پڑا۔ آٹو ڈرائیور چندو کی بیوی نے ان دنوں کی باتیں ایک ایک کر کے بائیں۔

نیک کام

ایک مٹھی چاول کا یہ سلسلہ یہی نہیں رکا بلکہ چنا گالی کے مضافات سنتا پالم رادھا کرشنا نگر، سوریا تیجا نگر، رام لکشمی نگر، آری لووا اور دین دیا پور والوں تک اس کی بھنگ پڑ گئی۔ اپنے کھانے سے ایک مٹھی اناج غریبوں کے لیے علیحدہ کرنے کو وہاں کی عورتوں نے ایک نیک کام سمجھا۔ تمام عورتیں ایک خاندان کے افراد بن گئیں۔ ان تمام کی ایک بات تھی۔ تھوڑا تھوڑا کر کے چاول کا ذخیرہ بڑھنے لگا۔ ہزاروں لاکھوں تو ہم کسی کو نہیں دے سکتے۔ اپنے حصے سے کچھ دانے تو غریبوں کے لیے علیحدہ کر سکتے ہیں۔ بے سہارا لوگوں کی مدد کرنے کا یہ موقع انہیں خدا کی طرف سے ملا تھا۔ وہ سیدھے سادے لوگ تھے مگر بھوک سے تملتے ہوئے لوگوں کو آنکھیں پھاڑے دیکھ کر چپ نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ وہ بے سہارا لوگ بھی ان ہی کی طرح انسان تھے۔ روزانہ اس طرح چاول بچا کر کھانا بنا کے جب وہ غریبوں کو کھلاتے تو ان کی آنکھوں میں ایک انوکھی خوشی نظر آتی۔ میسن کی بیوی کماری نے بتایا۔

اس طرح ہر ہفتہ کھانا کھلانے کی یہ بات ایک سے دوسرے، اور دوسرے سے تیسرے اور پھر چند ایک ڈونرس کے کانوں تک پہنچی۔ ان میں سے چند دال اور نمک مہیا کرنے لگے تو کچھ دوسروں نے پکوان کے برتن فراہم کیے۔ ان کی مدد سے بے سہاروں کو اب چاول کے ساتھ ساتھ سبزی اور سامبر بھی دیے جانے لگے۔ نیک دل ماؤں کے اس کار خیر کو نارتھ شری کامپلکس کے نمائندوں نے منظم کرنے کا فیصلہ کیا۔

انہوں نے مٹی کے چھوٹے چھوٹے گھڑے بنوائے۔ ان پر رنگ چڑھایا ان گھڑوں کو نام بھی دیے گئے۔ انہوں نے یہ گھڑے لوگوں کے گھروں میں بھیجے اور ان میں چاول جمع کرنے کی اپیل کی۔ کئی نئے لوگوں نے ان گھروں کو اپنے ساتھ لیجانے میں دلچسپی دکھائی۔ اب تک 2000 گھڑے لوگوں میں تقسیم ہو چکے ہیں اور کہیں سے کہیں پہنچ گئے ہیں سمہا چلم، آند پورا اور پیندورتی تک ان کا سفر چلا۔ ان سب کے پیچھے مندر کے نمائندے وانا پلی اپاراؤ کی دورانیشی کام کر رہی تھی۔ اس کام سے نیکیاں بٹورنے والی نیلی اپا لائرسمہا، وجے لکشمی اور اروتا نے بتایا کہ اب تو یہ حالت ہے کہ ان کے گھر آنے والے رشتہ دار بھی ان گھڑوں میں چاول ڈال دیتے ہیں۔ روزانہ اس طرح چاول جمع کر کے وہ ہفتے میں ایک بار لنگر تک پہنچا دیا کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دو دراز مقامات پر رہنے والے ان کی بیٹیاں اور داماد بھی اس کام میں حصہ لے رہے ہیں۔ تمام گھڑوں کی تقسیم کے بعد مزید گھڑے بنوانے پڑے۔

وہ سب ہماری ہی اولاد ہیں۔

آج جدھر دیکھو چاول کے ذخیرے نظر آتے ہیں۔ بھرے ہوئے گھڑوں کے ساتھ آنے والی عورتوں سے مندر کا مپلکس بھرا رہتا ہے۔ جیسے جیسے چاول کے تھیلوں میں اضافہ ہوتا گیا عورتوں نے روزانہ کھانا بنا کر لاوارثوں و بے سہاروں کو کھلانے کا فیصلہ کیا۔ 12 / ڈسمبر 2008ء سے مندر کا مپلکس میں روزانہ کھانے کی خیرات ہو رہی ہے۔ روزانہ یہاں کھانا بنایا جاتا ہے۔ جہاں ابتداء میں محض 25 لوگوں کا کھانا کھلایا جاتا تھا۔ آج روزانہ 150 لوگوں کی بھوک مٹائی جا رہی ہے۔ عورتوں نے مل کر اپنی ایک یونین بنائی۔ انہوں نے روزانہ کھانا بنانے کے لیے اپنی باریاں مقرر کر لیں۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کو ماں بیٹیاں سمجھتی ہیں۔ اور یہی تصور انہیں آگے بڑھاتا جا رہا ہے۔ ان میں کوئی بھید بھاؤ نہیں ہے۔ کوئی اختلافات نہیں۔ اس نیک کام کو وہ سب اپنے گھر کی تقریب سمجھتی ہیں۔ سکھ دکھ بانٹے ہوئے وہ پکوان کرتین ہیں۔ کوئی سبزی بناتی ہے تو کوئی سامبر اور پھر چاول بنا کر کھلانے کے لیے تیار کر لیا جاتا ہے۔ وہ کہت ہیں کہ دن میں ایک بار ان کے کھلائے چار دانے کھا کر اپنی زندگی گزارنے والے کئی لوگوں کو وہ دیکھتی آرہی ہیں۔

وہ سب کھاتے وقت جب انہیں اماں کہتے ہیں تو انہیں لگتا ہے کہ ان کی زندگی بامقصد ہوگئی۔ انہیں لگتا ہے کہ وہ ان کی نیکیاں ہی ہیں کہ انہیں بھوکوں کو کھانا کھلانے کا موقع مل رہا ہے۔ جنہیں وہ کھلا رہے ہیں وہ ان کی اولاد ہی کی طرح ہیں۔ گھڑوں میں چاول ڈالنے کے اب لوگ اس قدر عادی ہو چکے ہیں کہ سالگرہ یا عید و تہوار کے موقعوں پر چاول کی مزید مقدار دے کر جلد سے جلد چاول سے بھرے گھڑوں کو لنگر بھیج دیا جاتا ہے۔ روزانہ کھانا کھلانے کے علاوہ اب ہر مہینہ کی پہلی جمعرات کو چار پانچ ہزار افراد میں کپڑے بھی تقسیم کیے جا رہے ہیں۔ مائیں چاول کے ان گھڑوں کو بھرنے میں مصروف ہیں تو گھر کے دوسرے افراد خاندان میں بھی خدمت کا جذبہ پیدا ہو رہا ہے۔ اپنے ساتھیوں کی مدد کرنے کا ذوق ان میں بڑھتا جا رہا ہے۔ کھانے کی پلیٹ کے بازو کھانے کا ایک دانہ بھی گر جائے تو وہ اسے اٹھانے میں لگے ہوئے ہیں۔ کیونکہ ضائع ہونے والا ایک دانہ کسی دوسرے کی بھوک مٹا سکتا ہے۔

پکوان میں مصروف سینتائوں، سوریہ پر بھا، لکشمی، پاروتی، اور وینکٹ رتم نے بتایا کہ ہمارے ملک میں لوگ اتنے بھی گئے گزر رہے نہیں ہیں کہ اگر ہر خاندان روزانہ ایک مٹھی اناج بھی پس انداز کر لے تو لاکھوں لوگوں کی بھوک مٹانا کتنا آسان ہو جائے۔ سچ مچ یہ عورتیں غریبوں کو کھانا کھلاتے ہوئے بالکل مائیں لگ رہی تھی جو بچپن میں اپنے بچوں کو نوالہ بتاتا کر کھلاتی ہیں۔

اسلام اور ہمدردی

بچو! آپ نے پڑھا ہوگا اور سنا ہوگا کہ مذہب اسلام کے پانچ ارکان ہیں۔

1. کلمہ توحید کا اقرار کرنا 2. نماز 3. روزہ 4. زکوٰۃ 5. حج

ان میں زکوٰۃ وہ رکن ہے جو معاشرہ میں مساوات پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہی نہیں بلکہ ہمدردوں کے مظاہرہ کا بہت اچھا

طریقہ ہے۔

مذہب اسلام میں زکوٰۃ ہر صاحب نصاب پر واجب ہے۔ جس کسی شخص کے پاس 52 1/2 تولہ چاندی اور 7 تولہ سونا ہو یا اس کے مماثل رقم یا جائیداد ہو وہ صاحب نصاب کہلاتا ہے۔ اگر صاحب نصاب پوری ایمانداری کے ساتھ زکوٰۃ نکالے اور مستحقین تک پہنچائے تو مسلم معاشرہ میں کوئی غریب نظر نہ آئے گا۔ اسے صرف اتنا کرنا ہوگا کہ وہ اپنی دولت کا پوری دیانت داری سے حساب کرے اور اسی کا 40 واں حصہ یعنی 2.5 فیصد زکوٰۃ کے مستحقین میں تقسیم کرے۔ مسلم معاشرہ میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے لے ماہ رمضان کو افضل سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس مہینے میں ایک کے بدلے ستر نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

زکوٰۃ سے دینے اور لینے والے دونوں مستفید ہوتے ہیں۔ دینے والے کے لیے یہ اس کی مال کا صدقہ ہے جس کی ادائیگی سے اس کی دولت پاک و شفاف ہو جاتی ہے۔ اور وہ بارگاہ رب العزت میں سرخ رو ہو جاتا ہے۔ یہی نہیں دنیا میں بھی وہ امن و سکون سے اپنی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ اب جہاں تک زکوٰۃ لیے والے کا تعلق ہے۔ وہ بھی خوش ہو جاتا ہے کہ زکوٰۃ میں آئی یہ رقم اس کے لیے بڑے معنی رکھتی ہے۔ پُر امن طریقے سے وہ اپنی ضروریات کی تکمیل کر لیتا ہے اور بڑی مصیبتوں سے چھٹکارا پالیتا ہے۔

کیا آپ جاننا چاہیں گے کہ زکوٰۃ لینے والا کیسے مصیبتوں سے چھٹکارا پاتا ہے؟ اوہ اس طرح کہ اس دنیا میں بہت سے جرائم معاشی بحران کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ انسان اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے سخت محنت کرے اور زیادہ سے زیادہ کمائے یا پھر اپنی ضروریات کو کم کرے۔ چونکہ بعض ضروریات اشد ہوتی ہیں۔ انہیں آدمی کس طور ٹال نہیں سکتا۔ اس لیے چند لوگ جرم کا راستہ اختیار کر سکتے ہیں۔ ایسے میں زکوٰۃ سے چلنے والی یہ رقم ان کے لیے بڑی راحت کا سامان بنتی ہے۔ اور ضرورت مند کی حاجتیں پر امن طریقے سے یعنی کسی کو نقصان پہنچائے بغیر پوری ہو جاتی ہیں۔ اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زکوٰۃ دینے والے اور لینے والے کو دونوں کو خوش حال کر دیتی ہے۔ آج ہم اخباروں میں لوگوں کی مدد کرنے اور عطیہ دینے کی خبریں پڑھتے ہیں۔ مگر اسلام میں امداد باہمی کے معاملہ میں کسی سے ترغیب لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ ایک نیا نیا یا نظام یہاں پہلے سے موجود ہے۔ پس ضرورت ہے تو اس پر دیا نثار عمل آواری کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں صاحب نصاب کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے کسی غریب مستحق رشتہ دار کو دوسروں پر ترجیح دے سکتے ہیں۔ اگر اس کے رشتہ داروں میں کوئی مستحق نہ ہو تو وہ غیروں میں مستحقین تلاش کر سکتا ہے۔ اس کے بعد بھی اس کے پاس زکوٰۃ کی رقم بچ جاتی ہے تو وہ غریبوں، بیواؤں، طلباء، غریب لڑکیوں، یتیموں وغیرہ کی بھلائی کے لیے کام کرنے والی تنظیموں اور اداروں کو بھی اپنی زکوٰۃ کی رقم دے سکتا ہے۔

فلاحی ادارے

زکوٰۃ، صدقہ و خیرات کی رقم سے چلنے والے کئی ایک فلاحی ادارے آج موجود ہیں آچکے ہیں۔ اور الحمد للہ بہت اچھا کام بھی کر رہے ہیں۔ اللہ کی بنائی اس دنیا میں جہاں بہت سے حاجت مند ہیں وہیں کئی ایک ایسے صاحب ثروت بھی ہیں جو اپنی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے حقیقی مستحقین کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ ہر کوئی چاہتا ہے کہ اس کی زکوٰۃ صحیح فرد تک پہنچے۔ ان حالات میں ایسے

ادارے دونوں فریقوں کی بہتر مدد کر سکتے ہیں۔ ایسا ہی ایک ادارہ ہے۔ ”حیدرآباد زکوٰۃ اینڈ چیئر ٹرسٹ“ جو ہر سال زکوٰۃ و خیرات کی رقم صاحبین نصاب کے پاس سے جمع کرتا ہے اور پھر مختلف فلاحی کاموں میں خرچ کرتا ہے۔

Your Zakat Can do wonders آپ کی زکوٰۃ حیرت انگیز نساء کا موجب بن سکتی ہے۔ کے نعرہ کے ساتھ قائم کیے گئے

اس ادارے نے مختلف شعبہ حیات میں کئی ایک کارہائے نمایاں انجام دیتے ہوئے حقیقت میں اپنے قول کو فعل کا جامہ پہنایا ہے۔

یقیناً آپ بھی مضطرب ہوں گے یہ جاننے کے لیے کہ آخر مختلف افراد کے پاس سے جمع ہونے والی یہ چھوٹی چھوٹی رقم کس طرح ایک بڑی پونجی میں تبدیل ہوتی ہے۔ اور پھر تہواروں ہونٹوں کی مسکان اور دلوں کی دعائیں جاتی ہیں۔ مگر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آپ کی زکوٰۃ چاہے کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو کسی کی زندگی میں انقلاب لاسکتی ہے۔

1993ء میں مرحوم جناب بشیر الدین بابو خان کی زیر سرپرستی چند اصحاب خیر کی بنائی ہوئی اس تنظیم نے اپنے دو دہائیوں کے اس سفر میں اب تک 81 کروڑ 73 لاکھ روپے کی قطیر رقم سے مختلف طریقوں سے مختلف شعبوں میں کوئی چھ لاکھ 99 ہزار غریبوں، یتیموں اور طلباء و طالبات کی مدد کی ہے۔

آج اس تنظیم نے جناب غیاث الدین بابو خان صاحب کی سرکردگی میں اپنی سرگرمیوں کو بتدریج بڑھاتے ہوئے خود کو جنوبی ہند کی چار ریاستوں، تلنگانہ، آندھرا پردیش، تامل ناڈو و کرناٹک تک وسعت دی ہے۔ ذیل میں ٹرسٹ کی کارکردگی کا مختصر سا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

1- شعبہ تعلیم و روزگار:

1. اردو میڈیم اسکول: ٹرسٹ کی اعانت سے ریاست تلنگانہ کے سوائے گاؤں میں اردو میڈیم اسکول چلائے جا رہے ہیں جہاں 20 سال پہلے کوئی اسکول نہ تھا۔ یہاں ساتویں جماعت تک کے بچوں کو سرکاری نصاب کے مطابق تعلیم دی جاتی ہے۔ ان میں چند اسکولوں میں دسویں جماعت تک کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ یہی نہیں طلباء میں مفت کتابیں اور یونیفارم بھی تقسیم کیے جاتے ہیں۔

2. انگلش میڈیم اسکول: جھونپڑی Slam علاقوں و یتیم شہری علاقوں میں چلائے جانے والے انگلش میڈیم اسکول بھی ٹرسٹ سے متفیض ہو رہے ہیں۔ جہاں بچے برائے نام فیس ادا کرتے ہوئے ایس ایس سی میں پچھلے گیارہ سال سے امتیازی نشانات سے کامیابی حاصل کر رہے ہیں۔

3. معذور بچوں کی امداد: ٹرسٹ پڑھنے والے معذور بچوں پر خاص توجہ دیتا ہے۔ اور ان کی فیس یونیفارم و دیگر ضروریات کی تکمیل کے لیے انہیں مالی مدد بہم پہنچائی جاتی ہے۔

4. نقد انعامات: حقیقی مہارتوں و استعداد کی نشاندہی کرنا اور نعمات سے ان کی ہمت افزائی کرنا ٹرسٹ کی بنیادی روایات میں سے

ایک ہے۔ ٹرسٹ سال بہ سال لگاتار ایک مخصوص شکل میں مختص طلباء کی مالی مدد کے ذریعے ہمت افزائی کرتے آرہا ہے۔ ایس ایس سی امتحانات میں GPA - 9 اور اس سے زائد نشانات حاصل کرنے والوں کو 10 ہزار روپے GPA-8 سے اوپر حاصل کرنے والوں کو تین ہزار روپے اور GPA-7 سے اوپر نشانات کے حصول پر دو ہزار روپے کے نقد انعامات کے ذریعے لائق و ذہین طلباء کی ہمت افزائی کی جا رہی ہے۔

5. مدرسہ کی سطح پر ذہانت کی کھوج: یہ چھوٹی عمر کے بچوں میں استعداد کے فروغ کا ایک منفرد پروگرام ہے جس سے ہشتم، نہم اور دہم جماعت کے طلباء نے اپنی کارکردگی میں مایاں ترقی و کامیابی درج کروائی ہے۔

6. فاؤنڈیشن فار اکنامک اینڈ ایجوکیشنل ڈیولپمنٹ (FEED): یہ ٹرسٹ کا وہ شعبہ ہے جو مسلمانوں کی معاشی و تعلیمی پسماندگی کے ازالہ کی کوشش کر رہا ہے۔ سرکاری مدرسوں میں زیر تعلیم طلباء میں ترغیبی انعامات کی تقسیم، غریب طلباء میں اسٹڈی میٹریل کی تقسیم، طلباء کی کارکردگی میں بہتری لانے کے لیے مخلوعہ جائیدادوں پر اکاڈمک انسٹرکٹس کا تقرر مارل ایجوکیشن انسٹرکٹس کی فراہمی وغیرہ اس شعبہ کی ذمہ داریاں ہیں۔

II- سماجی بہبود:

1. غریب و یتیم لڑکیوں کی شادیاں و جواں سال بیواؤں کا عقد ثانی: آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ اپنے وجود میں آنے سے لے کر اب تک اس ٹرسٹ نے کوئی ایک کڑوڑ 77 لاکھ کی رقم خرچ کر کے 4,598 غریب و یتیم لڑکیوں کی شادی اور جواں سال بیواؤں کی دوسری شادی کروائی ہے۔

2. راحت و باز آباد کاری: اس مد کے تحت ٹرسٹ نے اب تک 1,93,201 افراد کی مدد کی اور 8 کڑوڑ 88 لاکھ روپے اس پر صرف کیے۔

3. طبی اخراجات کی پابجائی کے لیے امداد: ٹرسٹ نے اپنے 20 سالہ دور کار میں کوئی 12,400 مریضوں کی امداد پر ایک کڑوڑ 13 لاکھ روپے خرچ کیے ہیں۔

4. افطار فوڈ گرنیس: سات کروڑ 20 لاکھ روپے کے صرفے سے 1,59,161 غرباء میں ہر رمضان کے مہینے میں افطار پیکس فراہم کیے گئے تاکہ وہ بھی عید میں شامل ہو سکیں۔

5. دیگر اسکیمات: وفلیقہ، امکنا، کرافٹ سنٹرس و خود روزگار اسکیموں پر اب تک ٹرسٹ نے 5 کروڑ 65 لاکھ روپوں کے صرفے سے تقریباً 31,819 افراد کی مدد کی ہے۔

اب آپ خود اندازہ کیجیے کہ ہماری چھوٹی سی مدد کتنے افراد کی زندگیوں میں روشنی لاسکتی ہے۔ آپ کو شاید مشکل سے یقین آئے مگر یہ سچ ہے کہ اس ٹرسٹ کی مدد سے کئی ایک زکوٰۃ لینے والے الحمد للہ آج زکوٰۃ دینے والے بن گئے ہیں۔

ترغیب

- I اہم قدر : حب الوطنی۔ قومی جذبہ
- II ذیلی قدر : محبت وطن افراد کی زندگی سے ترغیب حاصل کرنا۔
- III مقاصد مطلوبہ نتائج: طلباء میں قومی جذبہ فروغ پائے گا۔ خدمتِ خلق، واپار کرنے کے عادی بنیں گے۔
- IV تمہید : ہمارا ملک بھارت ہے۔ یہ ہمارا مادرِ وطن ہے۔ ہمیں جس طرح اپنی ماں سے محبت ہوتی ہے ٹھیک اسی طرح ہمیں اپنے وطن سے بھی پیار ہونا چاہیے۔ ہندوستان کے ہر شہری کا یہی مقصد اور یہی اصول ہونا چاہیے۔ اس مقدس زمین سے ہمیں انسیت ہونی چاہیے۔ اس کی ہمیں عزت کرنی چاہیے۔ اپنے ملک کی ترقی کے لئے ہمیں اپنی طرف سے بساط بھر کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ہمارا فرض ہے۔
- اپنی زندگیوں کو ملک پر قربان کرنے والوں کے چند ایک واقعات ہم ذیل میں پڑھیں گے۔

V موضوع

واقعہ نمبر 1 : بچو! آپ نے مولانا ابوالکلام آزاد کا نام تو سنا ہوگا۔ یہ آزاد ہند کے پہلے وزیرِ تعلیم تھے۔ 11 نومبر 1888ء میں پیدا ہونے والے مولانا آزاد نے اپنی 69 سالہ زندگی میں زیادہ تر حصہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے گزارا۔ وہ محض 35 سال کی عمر میں انڈین نیشنل کانگریس کے صدر منتخب ہوئے۔ وہ گاندھی جی کی عدم تشدد کی پالیسی کے پیروکار تھے۔ یہ ایک جرنلسٹ تھے۔ اچھے مصنف تھے۔ مفسر قرآن تھے۔ وہ چاہتے تو اپنی زندگی بڑے آرام سے اپنے گھر میں گزار سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے ہندوستان کی بھلائی و آزادی کو اپنی شخصی خواہشات پر ترجیح دی۔ ہندوستان کی جدوجہد آزادی کے دوران انہیں ہر دوسرے برس جیل میں گزارنا پڑا۔ بسا اوقات تو ایسا ہوتا کہ وہ جیل سے واپس آ کر ابھی اپنے گھر والوں سے پوری طرح بات بھی نہیں کر پاتے کہ باہر دروازہ پر انگریز سرکار کا افسران کی ایک اور گرفتاری کا پروانہ لئے کھڑا ہوتا۔ وہ بلا ہچکچائے، بلا شکوہ شکایت ایک بار پھر جیل جانے کے لئے افسر کے پیچھے چلے۔ انہوں نے ملک کی سالمیت کے لئے بڑی محنت کی۔ دو قومی نظریہ کی مخالفت کر کے انہوں نے انڈین مسلم لیگ کی دشمنی مول لی۔ وہ ہندوستان کے ہندو اور مسلمانوں میں یکساں مقبول تھے۔

واقعہ نمبر 2 : ہندوستان کو برطانوی سامراج سے آزاد کرانے میں کئی لوگوں نے اپنے جان و مال کی بازی لگادی۔ ان میں ایک نمایاں نام اشفاق اللہ خان کا بھی ہے۔ جنہوں نے مادرِ وطن کے لئے اپنی جان دیکر تاریخ میں اپنا نام سنہری حروف میں لکھایا۔ ۲۲ اکتوبر ۱۹۰۰ء میں شاہجہاں پور میں اشفاق اللہ خان کی پیدائش ہوئی۔ ان کے والد شفیق اللہ خان تھے۔ اشفاق بچپن ہی سے نڈرا اور جانا تھے۔ رام

پرساڈنل ان کے گہرے دوست تھے۔ 1921ء میں جب گاندھی جی نے انگریزی حکومت کے خلاف عدم تعاون کی تحریک چلائی تو ان دو دوستوں نے بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیا تھا۔

1925ء میں رام پرساڈنل، سچندر ناتھ سانیا اور اشفاق اللہ نے مل کر ہندوستان کی آزادی کے لئے ہندوستان ریلیکشن سوشین نامی تنظیم قائم کی۔ تحریک کے لئے درکار فنڈس کے لئے انہوں نے انگریزی خزانہ لوٹنے کا منصوبہ بنایا جو 9 اگست 1925ء کو ٹرین سے شاہجہاں پور سے لکھنؤ لایا جا رہا تھا۔ جب ٹرین کا کوری اسٹیشن پر پہنچی تو اشفاق اللہ، سچندر بخشی، راجندر لہری اور رام پرساڈنل ٹرین میں گھس پڑے۔ اشفاق اللہ خاں جانتے تھے کہ انگریزوں کا روپیہ پیسہ ایک لوہے کے صندوق میں گاڑ کے ڈبہ میں رکھا ہوا ہے۔ انہوں نے وہ صندوق ڈھونڈ نکالا اور اُسے توڑ کر پیسہ نکال لیا اور وہاں سے راہ فرار اختیار کی۔ پورے ایک مہینہ تک برٹش حکومت انہیں ڈھونڈتی رہی اور پھر بالآخر 26 ستمبر 1925ء ان کی گرفتاری عمل میں آئی۔ جیل میں مسلم افسر نے اشفاق اللہ خاں کو ترغیب دینے کی کوشش کی وہ رام پرساڈنل کے خلاف سرکاری گواہ بن کر اپنے آپ کو بچالے۔ لیکن اشفاق اللہ خاں نے صاف انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ اپنے ہندو دوست کے لئے مرنا پسند کریں گے لیکن انگریزی سرکار کا ساتھ نہیں دیں گے۔ اور اس طرح وہ اپنے دیش کی خاطر 19 دسمبر 1927ء کو پھانسی پر چڑھ گئے۔

واقعہ نمبر 3: کیا آپ نے کاپیٹن عبدالحمید کا نام سنا ہے۔ یہ ایک بڑے ہی بہادر سپاہی تھے۔ 1 جولائی 1933ء کو اتر پردیش ضلع غازی پور کے موضع دھام پور میں پیدا ہوئے۔ ہندوستان آرمی میں یہ گرانڈیر کے چوتھی بٹالین میں خدمات انجام دے رہے تھے۔ 1962ء کے ہند چین جنگ میں انہوں نے بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ 1965ء میں جب ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ چھڑی تو ان کی پوسٹنگ چماکھیم کھرا میں تھی۔ اس جنگ میں جس بہادری کا انہوں نے مظاہرہ کیا اس کی مثال شاید ہی ملے۔ 10 ستمبر 1965ء صبح آٹھ بجے پاکستان کی ٹینکس بھارت کی طرف بڑھ رہی تھیں تو عبدالحمید اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر اپنی جیب میں رکھی رائفل کے ساتھ نکل پڑے۔ پٹھانوں کے تین ٹینکس کو اڑا دینے کے بعد وہ مزید آگے بڑھ رہے تھے کہ چوتھی ٹینک نے ان پر شیل برسائے اور اس طرح وطن کا ایک جیالا اپنے وطن پر شید ہو گیا۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نہ صرف اپنا فرض نبھایا بلکہ ملک کے لئے اپنی جان و مال کی قربانی دیکر قیامت تک کے لئے آنے والی نسلوں کو ترغیب کا سامان مہیا کیا۔

VI (الف): سوچنا: رد عمل کا اظہار کرنا۔

- 1- مندرجہ بالا واقعات پڑھنے کے بعد کیا آپ سمجھتے ہیں کہ سب کا مقصد ایک ہی تھا؟ کیسے؟
- 2- کیا مولانا ابوالکلام آزاد کو ہمہ گیر شخصیت کا مالک سمجھا جاسکتا ہے؟ بحث کیجئے۔
- 3- جب اشفاق اللہ خاں سے سرکاری گواہ بننے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے کیا کہا؟

4- اشفاق اللہ خاں نے سزائے موت کو کیسے قبول کیا؟

5- عبدالحمید نے کس طرح اپنے ملک کی خدمت کی؟

(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا۔

1- آپ کے پسندیدہ رہنما کون ہیں؟ ان سے متعلق دلچسپ واقعات اکٹھا کیجئے۔ اور بحث کیجئے۔

2- کیا ہم اپنے گاؤں یا علاقے کے لئے کچھ کر سکتے ہیں؟ بحث کیجئے۔

3- اُن بڑی ہستیوں کی قربانیوں پر بات کیجئے جنہیں آپ جانتے ہیں۔

جانئے

ماں سے بڑھ کر دنیا میں کوئی رشتہ نہیں۔ ہمارا وطن بھی ہماری ماں کی طرح ہے۔ ہمارا ملک بھارت ہے۔ اپنی ماں کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے ملک سے بھی محبت کرنی چاہیے۔ اس کی عزت کرنی چاہیے۔ ہمارا اس مقدس زمین پر پیدا ہونا بجائے خود ایک انعام ہے۔ اس مقدس زمین کا ہرزہ ہمیں عزیز ہے۔ دوسرے حب الوطنوں کی طرح ہم بھی اپنی حب الوطنی ثابت کر سکتے ہیں۔ بس ہمیں اپنے فرائض ایمانداری سے ادا کرنے ہوں گے۔ ہمیں ذمہ دار شہریوں کی طرح پیش آنا چاہیے۔ اور ملک کی ترقی کے لئے اپنی طاقت سے کہیں زیادہ محنت کرنے کی ضرورت ہے۔

شاعر مشرق علامہ اقبال نے اپنے حب الوطنی کو یوں بیان کیا ہے:

سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا

ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستان ہمارا

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا

گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں

گلشن ہے جس کے دم سے رشک جناں ہمارا

پرہت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسمان کا

وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا

قول زریں:

مصیبت میں ہمت، دولت کے ساتھ سخاوت، محفل میں فن گفتاری جنگ میں جارحیت، تعلیم میں

مشغولیت، شہرت کی خواہش جیسی خصلتیں برگزیدہ ہستیوں میں فطرتاً آتی ہے۔

مذہبیت

17

- I- اہم قدر : مذہبی رواداری۔ سیکولرزم
 II ذیلی قدر : مذہب صراطِ مستقیم پر چلاتا ہے۔
 III مقاصدِ مطلوبہ نتائج: ☆ طلباء نشانہ ہی کر سکیں گے کہ مذہب ہمیں سیدھے راستے پر چلاتا ہے۔
 ☆ مذاہب کا احترام کرنا سیکھیں گے۔

IV تمہید : بچو! مذہب سے مراد کسی عقیدہ پر اپنا یقان ہے۔ خدا کی عبادت کرنے اور مناسب طرز زندگی کے لئے انسان مختلف راستے اپناتا ہے۔ یہی بعد میں مذہب کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ آج ہم ہندو، مسلم، کرپشن اور سکھ مذاہب کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ بظاہر مختلف دکھائی دینے والے ان مذاہب کا نقطہ نظر دیکھیں تو سب ایک ہی تعلیم دیتے ہیں۔ انسان کو بے ایمانی سے نکال کر ایمانداری کی طرف، جہالت کے اندھیرے سے علم کی روشنی کی طرف لے آتا ہے۔ یہ انسان کی شخصیت کو سنوارتا ہے۔ ذیل میں چند ایک مذاہب کی تعلیمات کو ملاحظہ کریں گے۔

V موضوع

نیچے دیے گئے موضوع کو پڑھیے۔

ہندو مذہب

- ☆ تمام انسان سکھی رہیں۔
 ☆ سچ بولیں۔ انصاف پر عمل کریں۔
 ☆ اچھے چال چلن انسان کا زیور ہیں۔
 ☆ دوسروں پر احسان کریں۔

- ☆ تمام ممالک خوش رہیں۔
- ☆ سب ہی صحت مند رہیں۔
- ☆ سب کا بھلا کریں۔
- ☆ کسی کو دکھ نہ دیں۔

اسلام:

- ☆ خیر و خیرات کا جذبہ رکھنا چاہیے۔
- ☆ دوسروں کی مدد کرنی چاہیے۔
- ☆ رواداری کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔
- ☆ اچھے چال چلن اپنانا چاہیے اور نیک سلوک کرنا چاہیے۔
- ☆ امن و ہمدردی کے جذبہ حامل ہونا چاہیے۔
- ☆ سب کے ساتھ رواداری کے ساتھ پیش آنا چاہیے۔

عیسائیت:

- ☆ اپنے پڑوسیوں سے محبت کرو۔
- ☆ تمام مخلوقات کے تئیں ہمدردی رکھو۔
- ☆ کسی پر الزام تراشی نہیں کرنی چاہیے۔
- ☆ دوسروں کی غلطیوں کو شمار کرنے سے پہلے اپنی غلطیوں کو دیکھ لیں۔
- ☆ اچھے کام کرو۔

بدھ مت:

- ☆ تمام جانداروں کے تئیں ہمدردی کا جذبہ رکھنا چاہیے۔
- ☆ عدم تشدد بہت بڑا فریضہ ہے۔
- ☆ جانداروں پر ظلم نہیں کرنا چاہیے۔ جھوٹ نہیں بولنا چاہیے۔ چوری نہیں کرنی چاہیے۔

☆ ایمانداری سے کمانا چاہیے۔

سکھ مذہب

- ☆ سچ سب سے عظیم ہے۔ سچائی کے راستے پر چلیں۔
- ☆ اپنے دل کو صاف و شفاف رکھا کرو۔
- ☆ استاد کی نصیحت کو فراموش کرنے والا شاگرد جہالت کے اندھیرے میں گم ہو جاتا ہے۔
- ☆ تکبر کو اپنے اندر پیدا نہ ہونے دیں۔

VI (الف) سوچنا: رد عمل کا اظہار کرنا:

- 1- مندرجہ بالا مختلف مذاہب کا مرکزی نقطہ نظر کیا ہے؟
- 2- آپ جانتے ہیں کہ کوئی بھی مذہب دو سے مذہب سے نفرت کی تعلیم نہیں دیتا۔ پھر مذہب کے نام پر لڑائیاں کیوں ہو رہی ہیں؟ ان کا تدارک کس طرح کیا جاسکتا ہے؟
- 3- تمام مذاہب زندگی گزارنے کے تعلق سے انسان کو کیا تعلیم دیتے ہیں؟ اس تعلیم پر اگر عمل آوری ہو تو بتائیے کہ انسانی سماج کیسا ہوگا؟
- 4- مذہب کا کیا مصرف ہے؟ اس سے انسانوں کو کیا فوائد پہنچتے ہیں؟
- 5- دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ رواداری برتنے کے لئے آپ کیا کریں گے؟

(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا۔

- 1- جس مذہب پر آپ عمل پیرا ہیں، اس کے کلیدی اصولوں پر عمل کیجئے۔ اپنے تجربات بیان کیجئے۔
- 2- دوسرے مذاہب کے اچھے اصولوں کی قدر کیجئے۔ ان سے آپ کو کیا سبق ملتا ہے۔ آپ کی سوچ جس میں کیا تبدیلی آئی۔ اپنے تجربات بیان کیجئے۔

جانے

مذہب وہ راستہ ہے جو اصول کو صراطِ مستقیم پر چلاتا ہے۔ جہالت کی تاریکی سے نکال کر اُسے عمل کی روشنی میں لے آتا ہے۔ مذہب ایک اصولوں پر مبنی عمدہ طرز زندگی کا منبع ہے۔ سماج میں انسان کو دوسروں کے ساتھ پیش آنے کا طریقہ۔ سماجی حیوان کی حیثیت سے اس کی ذمہ داریاں وغیرہ مذہب ہی طے کرتا ہے۔

اس طرح ایک مذہب انسان کی جسمانی، ذہنی و روحانی ترقی کے لئے مختلف طریقوں کی نشاندہی کرتے ہوئے مختلف مذاہب کی صورت اختیار کرتا ہے۔ جس طرح ایک درخت کی کئی ٹہنیاں ہوتی ہیں اسی طرح ایک نیک شخصیت کی تعمیر میں مختلف قوانین زندگی اپنا رول ادا کرتے ہیں۔ یہی قوانین زندگی بتدریج مختلف مذاہب کے نام سے منظم ہوئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ تمام مذاہب کا مقصد ایک ہی ہے۔ انسان کو نیک بنانا، اُسے سیدھے راستے پر چلانا اور پھر ایک مثالی معاشرہ قائم کرنا۔

مذہب کے نام پر اپنی دوکان چلاتے ہوئے دوسرے مذاہب کے تئیں نفرت پیدا کر رہے ہیں۔ حقیقت میں یہ وہی لوگ ہیں جو خود اپنے مذہب کی تعلیمات کو نہیں سمجھ پائے ہیں۔ انہیں خود اپنے ہی مذہب پر یقین نہیں۔ مذہب کی تعلیمات کو سمجھنے والے سیدھے راستے پر چلتے ہیں۔ ایسے افراد محبت، رحم، ہمدردی، خیر خیرات و ایثار کا جذبہ رکھتے ہیں۔

تمام مذاہب کی تعلیم کو ایک ہی سمجھنے کو والے کبیر داس، شنکر اچاریہ، وویکانندا اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ آج بھی اپنے اپنے مذہب کو اچھی طرح سمجھنے والے سچے لوگوں کے طور پر تسلیم کئے جاتے ہیں۔ وہ عالمی انسانیت کے علمبردار ہیں۔

اگر کوئی دوسرے مذہب سے نفرت کرتا ہے تو یقیناً وہ اپنے ہی مذہب کو نہیں سمجھ پایا ہے۔ ایسے لوگ مذہب کو قتل انسانی کا آلہ کار بنا رہے ہیں۔ کسی بھی مذہب کی گہرائی میں جا کر دیکھیں تو اس میں ہمیں انسانی اقدار اور عمدہ سماجی زندگی کے طریقوں کا سبق ملتا ہے۔ انہیں اچھی طرح سمجھ کر ان پر عمل کریں تو ملک میں یا دنیا میں کہیں مذہبی دنگے فسادات ہوں گے ہی نہیں۔ بے ایمانی، جھوٹ، بے انصافی و لاقانونیت کہیں بھی نہیں ہوں گے۔ انسان کی شخصیت کی تشکیل کے لئے مذہب ضروری ہے۔ اس کو سمجھنے والا ہی خوش اخلاق و نیک ہے۔

قول: نیک اعمال ایمان کی علامت ہے

مذہب اور سماج

مذہب دلوں کو آپس میں ملاتا ہے۔ مذہب انسان کو خدا سے ملاتا ہے۔ افراد کے درمیان مفاہمت کو فروغ دے کر اپنے آپ کو سمجھنے میں مذہب ہماری مدد کرتا ہے۔ حقیقی مذہب وہی ہے جو ہماری سوچ اور عقل کو پاک کر کے ہمیں اللہ کی طرف پلٹا دے۔ مذہب اخلاق، ذہنی، روحانی اور تہذیب سے تعلق رکھنے والا ایک نظام ہے۔ انسانیت کو مذہب کی بنیاد پر تقسیم کر کے فرقہ بندی کرنا دراصل عالمی سچائی کو بھول کر اپنے ہی عقیدے تک محدود ہو جانا ہے۔ اپنے عقیدے کو صحیح ماننا غلط نہیں ہے لیکن دوسروں کے عقائد کو تسلیم کرنے کی فراخ دلی بھی ہم میں ہونی چاہیے۔ اگر ایسا نہیں ہو تو ہم بے لگام ہو کر مختلف مسائل میں گھر جاتے ہیں۔ دنیا میں چاہیے کتنے ہی مذاہب کیوں نہ ہوں، مگر ہمارا مذہب تمام کے لئے قابل قبول ہوتے ہوئے ہمارے دلوں کی صفائی کا ذریعہ بننا چاہیے تاکہ اندھے عقائد کا راستہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے۔

تمام مذاہب کو عالمی سچائیوں کے فہم میں معاون سمجھا جائے تو مذہب عالمی امن و بھائی چارگی میں مددگار ثابت ہوگا۔ تمام مذاہب عالم انسانیت کی ضروریات کی بنیاد ہی پر وجود میں آئے ہیں۔ تمام مذاہب بے نیاز خدا کے عبادت کی روحانی تعلیم دیتے ہیں۔ اس دنیا میں دائمی سچائی کی تشہیر کرنا مذہب ہی کی ذمہ داری ہے۔

مذہبوں کے درمیان فرق کو بازو رکھ کر اگر ہم اس سچائی کو تسلیم کر لیں کہ سبھی مذاہب کا نصب العین ایک ہی ہے تو مذہب کا مقصد ہی پورا ہو جائے گا۔ تاریخ کے ابواب گواہ ہیں کہ مذہبی تعصب میں دنیا نے کتنی جہالت کے مظاہرے کئے۔ مذہبی نفرت میں ایک فرقہ کی عبادت گاہ کو دوسرے فرقہ والوں نے ڈھایا لیکن مذہبی رواداری کو وہ اپنے اندر فروغ نہیں کر پائے۔ اردو کے ایک شاعر اسماعیل نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ آخر لوگ جنگ پر کیوں آمادہ ہو جاتے ہیں جب کہ وہ دانشمندی کے ساتھ اپنی زندگی گزار سکتے ہیں۔ رام کرشنا پر ماہمسانے کہا کہ تالاب میں پانی تو ایک ہے لیکن یہ مختلف نالوں سے آکر ملتا ہے۔ اس طرح سب کا مالک ایک ہی ہے بس اس کی عبادت کے طریقے مختلف ہیں۔ سوامی وویکانندا کا کہنا ہے کہ آج دنیا کو ضرورت مذہب کی نہیں، محبت کی ہے۔ بے لوث طرز زندگی کی ہے۔ مذہب کے معاملے میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم عظیم ہستیوں کی نصیحتوں اور پیغامات پر عمل کریں۔ کیونکہ ہماری قوم وہ قوم ہے جو چیونٹی اور ہاتھ میں ایک ہی جیسی روح کو کار فرما دیکھتی ہے۔

دنیا میں سب ہی کا ماننا ایک ہے اور وہ یہ کہ اتنی ذاتیں، اتنے مذاہب اور اتنے سماج دنیا میں خیر و عافیت کے لئے ہونے چاہیے ناکہ نقصان پہنچانے کے لئے۔ مالک سب کا ایک ہے۔ اُس کی عبادت کے طریقے الگ الگ ہیں۔ ہندوستان کی تہذیب میں یہ عقیدت کلیدی اہمیت رکھتی ہے۔ تمام انسانوں کو کسی ہار میں موتیوں کی طرح ملا کر رکھنے کے لئے قدرت نے ہمیں ایک اصول عطا کیا ہے اور وہ ہے ”یکجہتی“ اور اس یکجہتی کو پانے کا ذریعہ ہے ”مذہب“۔

یہی مذہب کا مقصد بھی ہے اور اس میں سماج کی بھلائی بھی ہے۔

عوام کی شرکت

18

- I اہم قدر : جمہوری اقدار کی تئیں احترام
- II ذیلی قدر : دیہی نظم و نسق میں جمہوریت کا رول
- III مقاصد مطلوبہ نتائج: ☆ دیہی نظم و نسق میں عوام شرکت پر فہم حاصل کریں گے۔
☆ گاؤں کی ترقی میں اپنا فرض ادا کریں گے۔
- IV تمہید : جمہوریت سے مراد عوامی شرکت سے چلائی جانے والی عوامی حکومت ہے۔ گاؤں ملک کو سہارا دینے والی ٹہنیوں جیسے ہوتے ہیں۔ گاؤں کی ترقی ہو تو ملک بھی ترقی کے راستے پر گامزن ہوتا ہے۔ گاؤں کے نظم و نسق کو پُر امن طریقے سے چلانے کے لئے وہاں لوگوں کی ضروریات کی جانکاری حاصل کرنا اور رائے لینا ضروری ہے۔ فیصلے متفقہ طور پر لئے جانے چاہیے۔ فنڈس کا استعمال شفاف ہونا چاہیے۔ تب ہی گاؤں کی ترقی ہو سکتی ہے۔
- گاؤں کے نظم و نسق میں جمہوریت کا رول جاننے کے لئے ذیل کے واقعات ملاحظہ کریں گے۔

V موضوع

گاؤں نمبر 1:

وہ گاؤں ایسا ہے جہاں پہنچنے کے لئے جو سڑک ہے وہ بالکل خراب حالت میں ہے جگہ جگہ گڑھے ہیں۔ رات کا وقت ہو تو ادھر جاتے ڈر لگتا ہے۔ اسٹریٹ لائٹ کا کوئی انتظام نہیں۔ پینے کا پانی دو تین دن میں ایک بار دستیاب ہوتا ہے۔ کبھی کبھی تو انہیں پڑوس کے گاؤں سے پانی لانا پڑتا ہے۔ گاؤں کے لئے منظورہ فنڈس کے تعلق سے گاؤں والوں کو کوئی علم نہیں۔ سرینچ ان فنڈس کو کیسے خرچ کرتا ہے۔ انہیں پتہ نہیں۔ گاؤں کے باشندے سرینچ کی حرکتوں سے خوفزدہ ہیں۔ اس کی کوئی مخالفت نہیں کر سکتا۔ وہ جو کہتا ہے سب ہی کو ماننا پڑتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ گاؤں میں کہیں بھی ترقی نہیں دکھائی دیتی۔ چند ایک جگہوں پر ایک دوسرے کیس دکھائی دیتی ہیں۔ وارڈ ممبرس کے محلوں میں ہی سمنٹ کی سڑک نظر آتے ہیں۔

گرام سبھا منعقدہ ہوتی ہے مگر وہاں وارڈ ممبر ہی فیصلے کرتے ہیں لیکن عوام کی وہاں کوئی شرکت نہیں ہوتی۔ نہ انہیں سول کرنے کی آزادی ہوتی اور نہ ہی اظہار خیال کا حق ہوتا ہے۔

گاؤں نمبر 2 :

ایک اور دوسرا گاؤں ہے جو بہت دور دراز علاقے میں واقع ہے۔ اُس گاؤں میں جدھر بھی دیکھیں ہرے بھرے درخت ہیں۔ صاف ستھری سڑکیں ہیں۔ اور تمام سہولتیں دستیاب ہیں۔ منتخب ہوتے ہی گاؤں کے سرچنگ نے گرام سبھا منعقد کی۔ وارڈ ممبرس کے ساتھ ساتھ گاؤں والوں کو بھی بلا لیا گیا۔ گاؤں کے مسائل ان سے پوچھے۔ گاؤں کی ترقی کے لئے حکومت کی طرف سے منظورہ فنڈس سے انہیں واقف کروایا۔ مختلف مدوں پر خرچ کے لئے قرارداد لکھ لی گئی۔ ذمہ داریوں کو آپس میں بانٹ لیا گیا۔ وقت مقررہ پر کاموں کی تکمیل کی۔ اس گاؤں میں نہ تو پینے کے پانی کی کوئی کمی ہے اور نہ ہی کسی اور چیز کی۔ سبھی وہاں بڑے سکھ و چین کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ وہاں گاؤں میں کوئی بھی کام ہو یا کچھ بھی واقعہ پیش آئے۔ تمام لوگوں کو اس کا عمل ہوتا ہے۔ لوگ ہر معاملے میں شریک ہوتے ہیں۔ اس گاؤں کو بیسٹ ولج (عمدہ گاؤں) کا ایوارڈ بھی ملا۔

VI (الف) سوچنا۔ رد عمل کا اظہار کرنا۔

- 1- کسی گاؤں میں ہمیں جمہوریت نظر آتی ہے۔ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں وہاں جمہوریت ہے یا نہیں؟
- 2- آپ کے گاؤں میں نظم و نسق کیسا ہے؟
- 3- اپنے گاؤں کے مسائل کے حل کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟
- 4- گاؤں کے نظم و نسق میں اگر گاؤں کے لوگ جمہوری طریقے سے شریک نہ ہوں تو کیا ہوتا ہے؟
- 5- کیسے افراد کو گرام پنچایت کے ممبرس و سرچنگ کے طور پر چننا چاہیے۔

ب: عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا۔

- 1- اپنے گاؤں میں کون کون سے ترقیاتی کام ہوئے ہیں؟ مشاہدہ کیجئے۔ مزید مسائل کہاں کہاں ہیں؟ معلومات اکٹھا کیجئے۔ مسائل کا احاطہ کرتے ہوئے سرچنگ کو ایک محضر پیش کیجئے۔
- 2- ذیل کے نکات کو پڑھئے۔ ان میں جو آپ کرتے ہیں ان پر (✓) کا نشان اور جو آپ نہیں کرتے ہیں ان پر (x) کا نشان لگائیے۔

- 1- ہم اپنے گاؤں کے مسائل کے تعلق سے معلوم حاصل کرتے ہیں۔ ()
- 2- اپنے شناخت کئے ہوئے مسائل پر ہم اپنے بڑوں سے بات کرتے ہیں۔ ()
- 3- ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ابھی چھوٹے بچے ہیں۔ ہمیں گاؤں کے مسائل سے کیا سروکار؟ ()

- 4- اگر سڑک پر کچرا دکھائی دے یا پانی کی سربراہی نہ ہو تو ہم گرام پچایت کے علم میں لے آتے ہیں۔ ()
- 5- سرنج سے مل کر بات کرتے ہیں اور حالات سے انہیں واقف کرواتے ہیں۔ ()
- 6- تنہا نہیں بلکہ سب مل کر مسئلہ کی یکسوئی کی کوششیں کرتے ہیں۔ ()
- 7- ایک بار ہم اپنا کام کرتے ہیں۔ اگر کام ہو تو ٹھیک ہے۔ ورنہ ہم لا پرواہ ہو جاتے ہیں۔ ()
- 8- گاؤں کی بھلائی کے لئے کسے کیا کرنا چاہیے۔ اس پر غور کرتے ہیں۔ ()
- 9- صرف میٹنگ ہی میں ہم حاضر ہوتے ہیں۔ مشاہدہ کرتے ہیں کہ کون کیا کہتا ہے۔ ()
- 10- اگر وعدے کے مطابق کام نہ ہوا تو ہم سوال کرتے ہیں۔ خدمت کرتے ہیں چاہے وہ کتنے ہی بڑے آدمی کیوں نہ ہوں ()

3- آپ کے گاؤں کے مسائل کا مشاہدہ کیجئے اور لکھئے۔ آپ کیا بدلاؤ چاہتے ہیں۔ تفصیل سے تحریر کیجئے۔

آپ کے گاؤں کے مسائل	بدلاؤ کے لئے آپ کی تجاویز

جانئے

گاؤں کے نظم و نسق میں جمہوریت کے رول کو جانئے

جمہوریت انگریزی لفظ Democracy کا بدل ہے۔ جو دو یونانی لفظوں ڈیموس اور کریٹار سے مل کر بنا ہے۔ ڈیموس کے معنی 'عوام' کے ہیں اور کریٹار کے معنی نظم و نسق کے ہیں۔ یعنی عوامی حکومت۔

ابراہم لنکن کے مطابق جمہوریت کے معنی ہیں عوام کے لئے، عوام کے ذریعہ چلائی جانے والی عوامی حکومت۔

جس سماج میں عوام متحدہ طور پر آزادانہ و مساویانہ حقوق کے ساتھ مشترکہ طور پر فیصلہ کرتے ہیں، اُسے جمہوری سماج تصور کیا جاسکتا ہے۔ سیاسی رجحان کے مطابق نظم و نسق چلانے کے لئے عوام کو جواب دہ نمائندوں کے انتخابات کا نظم جمہوریت کی ایک اہم خصوصیت ہے۔

اس سارے عمل میں تمام بالغ افراد کو ووٹ دینے اور الیکشن میں مقابلہ کرنے کا حق ہے۔ یہی نہیں جمہوریت میں شہری اور انصاف پر مبنی تمام حقوق پر عمل آوری کی ضمانت بھی دی گئی ہے۔

مساوی انصاف:

جمہوریت میں تمام شہری یکساں ہیں۔ پیدائش کے اعتبار سے ہو یا دولت کے لحاظ سے، قانون کسی کو کسی پر فوقیت نہیں دیتا۔ تمام لوگوں کو سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا حق حاصل ہے۔ جمہوریت میں قوانین تمام شہریوں پر یکساں طور پر لاگو ہوتے ہیں۔ اس کو مساویانہ انصاف پر مبنی نظم و نسق کہا جاتا ہے۔ بہر حال جمہوریت میں افراد پر قانون کی بالادستی ہوتی ہے۔

اختلاف رائے کی اہمیت:

دیہی نظم و نسق میں مباحث میں آزادانہ حصہ لینے کے حق کا حامل ہونا دیہی سطح پر جمہوریت کی پہچان ہے۔ اختلاف رائے کو اگر مناسب اہمیت حاصل نہ ہو تو کوئی فرد جمہوریت میں اپنے فرائض صحیح ڈھنگ سے ادا نہیں کر سکتا۔ اس جمہوریت کا نظام، اختلاف رائے کی بنیاد پر کام کرتا ہے۔ اختلاف رائے سے مراد برسر اقتدار اکثریت والی جماعت کی رائے کی مخالفت کرنا ہے۔ برسر اقتدار جماعت کو حسب اختلاف کی آواز دبانے کا کوئی حق نہیں۔ تاہم حسب اختلاف کو بھی صرف اختلاف رائے کا حق حاصل ہے مگر بالآخر انہیں اکثریت کا فیصلہ ماننا پڑتا ہے۔ کیونکہ جمہوریت میں فیصلے اکثریت کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ اکثریت والی جماعت کو بھی چاہیے کہ وہ اقلیتی جماعت کو اپنے فیصلہ ماننے پر مجبور نہ کرے۔ انہیں حسب اختلاف کی رائے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ حالات ہمیشہ کسی ایک پارٹی کے حق میں نہیں رہتے ہیں۔ یہ بدلتے رہتے ہیں۔ اقلیت میں رہنے والی جماعت کبھی اکثریت میں بھی آجایا کرتی ہے۔ اور اکثریت والی جماعت اقلیت میں بھی آسکتی ہے۔ اس لئے جمہوریت میں افراد یا اقلیتوں کو آزادانہ طور پر اظہار خیال کرنے کی گنجائش فراہم کی گئی ہے۔

ضرورت ہے باشعور عوام کی:

جمہوریت کی کامیاب عمل آوری کے لئے عوام کا باشعور ہونا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ جمہوریت میں فراہم کردہ حقوق سے وہی استفادہ کر سکتے ہیں جنہیں اپنے حقوق کا علم ہو اور جو حکومت سے ان کی کارکردگی کو تاحیوں پر ان سے باز پرس کرنے کا شعور رکھتے ہوں۔

عوامی رائے کی اہمیت:

پانچ سال میں ایک بار اپنے نمائندوں کا انتخاب کرنے کے لئے اپنے ووٹ کا استعمال کرتے ہی شہریوں کی اپنی ذمہ داری ختم نہیں ہو جاتی۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنے چنے ہوئے نمائندوں کی سرگرمیوں کا مسلسل مشاہدہ کرتے رہیں کیونکہ جمہوریت میں عوامی رائے کا بڑا اہم رول ہے۔ عہدیداروں اور عوامی نمائندوں کو محضر (Memoremda) پیش کرتے ہوئے، جلوس نکالتے ہوئے

جلسوں وغیرہ کا انعقاد کرتے ہوئے شہری اپنی رائے کا اظہار کر سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ اظہار خیال کے اور بھی کئی طریقے ہیں۔
جیسے اخبار کے ذریعہ یا دوسرے ذرائع ابلاغ کا استعمال کرتے ہوئے شہری اپنی بات ارباب مجاز تک پہنچا سکتے ہیں۔

قیادت کی فطرت:

جمہوریت میں رواداری کی حامل اور عمل کی دولت سے مالا مال، ایک ذمہ دارانہ قیادت کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ دور جدید کے ترقی پذیر جمہوریت سماج میں قائدین کا رول بڑا اہم ہوتا جا رہا ہے۔ چند ایک علاقوں میں قائدین نے جمہوری تصورات، جمہوری اقدار و اداروں کو کمزور کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے عوام کی قیادت کرنیوالے اچھے چال و چلن کے حامل قائدین کا انتخاب کرنا از حد ضروری ہے۔

سماجی و معاشی مساوات:

حقیقی جمہوریت کے لئے اعلیٰ ترین سطح پر سماجی و معاشی قیادت کی بھی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ محض چند دولت مند اور زیادہ غریب لوگوں میں منقسم قوم جمہوریت کے مفاد میں نہیں ہے۔ یہ کیفیت سیاسی حلقہ میں بھی دولت مندوں کی بالادستی کی راہ ہموار کرتی ہے اور دولت مندوں سے مغلوب سماج میں سیاسی آزادی اور سیاسی مساوات کا مفہوم ادھورا رہ جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس سماج میں سماجی و معاشی تفرقات کم ہوں گے۔ اسی سماج میں جمہوریت پختی ہے۔ ذیل میں جمہوریت کی کلیدی خصوصیات جیسے انتخابات و سیاسی جماعتوں کے متعلق تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

انتخابات کا عمل:

جدید جمہوریت نمائندگی کے تصور پر مبنی ہوتی ہے۔ وسیع و عریض خطہ زمین اور گنجان آبادی والے ملکوں میں جمہوری تصورات کے بغیر جمہوری اداروں کو چلانا نہایت ہی مشکل امر ہے۔ بجائے گاؤں کے تمام لوگ یکجا ہو کر، مباحثہ کریں اور فیصلے لیں، ان کے نتیجہ نمائندے مل بیٹھ کر مسائل پر مباحثہ کرتے ہیں اور پنچایت کے مختلف پروگراموں کے انعقاد کے ذریعہ عوام کی ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں۔

گاؤں کا نظم و نسق۔ جمہوری اقدار:

گاؤں کی سطح پر متعلقہ عہدیدار، گرام پنچایت کے انتخابات منعقد کرواتے ہیں۔ اس طرح منتخبہ گرام پنچایت میں وارڈ ممبرس اپنے اپنے وارڈس کے انتظامات دیکھتے ہیں جب کہ سر پنچ بجھتیت مجموعی سارے گاؤں کے جملہ انتظامات کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ گاؤں میں گندے پانی کی نکاسی، بجلی، گھروں کی تعمیر و پینے کے پانی کی سربراہی وغیرہ جیسی تیاری ضرورتوں کے تعلق سے گرام پنچایت کے ممبرس اپنے جلسوں میں مباحثہ کر کے مسائل کی یکسوئی کرتے ہوئے ان کی ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں۔

اس لئے گاؤں کے نظم و نسق میں جمہوریت کا کلیدی رول ہوتا ہے۔

- جمہوریت میں خاص طور پر عوام کی رائے کو اہمیت دینا، عوام کے مسائل پر بحث کرنا اور ترجیحی بنیاد پر مسائل کو حل کرنا اہم ہیں۔
- اس کے لئے گاؤں کی سطح پر ذیل میں بتائے گئے طریقے سے جمہوری انداز میں مباحثہ کرتے ہوئے اقدامات کئے جاتے ہیں۔
- ☆ کم از کم ہر دو تین مہینے میں ایک بار گاؤں کے مسائل پر بحث ہونی چاہیے۔ عوام کی رائے لی جانی چاہیے۔
 - ☆ مسائل کی ترجیحی بنیاد پر درجہ بندی ہونی چاہیے۔
 - ☆ حکومت کی جانب سے منظورہ فنڈس کی تفصیلات سے گاؤں والوں کو آگاہ کیا جانا چاہیے۔
 - ☆ ترجیحی بنیاد پر مسائل کی یکسوئی کے لئے عوام سے بات چیت کرتے ہوئے فنڈس کے خرچ کے لئے رہنمایانہ خطوط
- ☆ Guidelines تیار کئے جانے چاہیے۔
- ☆ عوام کی شراکت سے ترقیاتی کام انجام دیئے جانے چاہیے۔
 - ☆ ضرورت پڑنے پر عوام سے مالی مدد، یا محنت کا عطیہ بھی قبول کیا جانا چاہیے۔
 - ☆ کام میں معیار کی برقراری کے معائنہ کے لئے نگران کمیٹیوں کو قائم کیا جانا چاہیے اور عوام کی شرکت سے ترقیاتی کاموں کو معیاری انداز میں انجام دیا جانا چاہیے۔
 - ☆ گاؤں میں دستیاب وسائل کی شناخت کر کے معاشی ترقی کے لئے خود روزگار مواقعوں کو کھوجنا چاہیے۔
 - ☆ گاؤں کی ترقی کے متعلق اقل ترین مقاصد کا تعین کر کے ان کے حصول کے لئے کوششیں کی جانی چاہیے۔
- مثال کے طور پر گاؤں میں اسکولی عمر کے تمام بچوں کو اسکول میں داخل کروانا۔
- گاؤں کے تمام سرکاری اداروں سے عوام کی خدمت کے لئے کام کروانا۔
- ☆ اس بات کو یقینی بنانا کہ گاؤں کے تمام لوگ سرکاری اسکیموں سے واقف ہوں اور ان سے استفادہ کریں۔ رشوت ستانی کے بغیر استفادہ کنندہ گان تک اسکیموں کے فوائد پہنچانا۔ گاؤں کے ہر گھر میں بیت الخلاء کی سہولت بہم پہنچانا۔ باہر سڑکوں پر ضروریات سے فراغت کو روکنا۔ گاؤں میں صاف صفائی کے انتظامات کرنا۔ پلاسٹک کے استعمال کو روکنا۔ گاؤں میں پیٹر لگوانا اور ان کی دیکھ بھال و افزائش کے انتظامات کرنا۔ بارش کے پانی کو ضائع ہو جانے سے روکنے کے لئے انجذابی گڑھے بنوا کر ریزرین پانی کی سطح میں اضافے کے لئے اقدامات کرنا وغیرہ۔
 - ☆ گاؤں میں کئے گئے ترقیاتی کاموں کی تفصیلات، آمدنی کی تفصیلات، شفافیت کے ساتھ گاؤں کے چوراہوں میں دیواروں پر لکھوانا۔
- مندرجہ بالا طریقوں سے جمہوری انداز میں گاؤں کے تمام لوگوں کو ترقیاتی کاموں میں شریک کرتے ہوئے گاؤں کا نظم و نسق چلایا جانا چاہیے۔ مہاتما گاندھی جی کے نزدیک گاؤں کی ترقی کا مطلب ہے خود کفالت کے حامل ہوتے ہوئے ذاتی طور پر ترقی

کرنا۔

تمام لوگوں کی رائے کو مقدم سمجھنا، بات چیت کے ذریعہ ضرورتوں کی نشاندہی کرنا، عوام کی شرکت سے مسائل کی یکسوئی کرنا۔ مشترکہ طور پر فیصلہ کرنا اور پھر ان فیصلوں کے مطابق عمل کرنا۔ وغیرہ گاؤں کے نظم و نسق میں جمہوری اصول مانے جاسکتے ہیں۔ جمہوریت محض انتخابات کا موضوع نہیں بلکہ زندگی گزارنے کی حکمت عملی بھی ہے۔ ہر ایک کے اندر اس کے اقدار فروغ پائے چاہیں۔ یعنی نخل سے سننا، اوروں کی رائے کا احترام کرنا، اپنی رائے نڈرو بے خوف ہو کر ظاہر کرنا۔ شعور کے ساتھ تجربہ کرتے ہوئے فیصلہ کرنا۔ مشترکہ فیصلوں کا احترام کرنا وغیرہ جیسے اقدار ہر شہری میں ہونے چاہیے۔

مندرجہ بالا اقدار کے حامل اشخاص جہاں ہوتے ہیں وہاں مشتعل جذبات اور غم و غصہ نہیں پایا جاتا ہے۔ خاندان کے تمام افراد بھی اگر اپنے آپ کو ان جمہوری اقدار کے عادی بنا لیں تو وہ خاندان ایک مثالی خاندان بن جائے گا۔ اُس خاندان میں امن، چین و سکون اور عیش و عشرت کا دور دورہ ہوگا۔

اقوال زریں:

- 1- زندگی میں ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے۔ وہ کام اُس وقت بہتر انداز میں کیا جانا چاہیے۔ تب ہی انسان پُر امن زندگی گزار سکتا ہے۔
- 2- محکوم کا کام ہی حاکم کا کام ہوتا ہے۔ محکوم کا سکھ ہی حاکم کا سکھ ہے۔ محکوم کی چاہت ہی حاکم کی آرزو ہے۔ محکوم کی بھلائی میں ہی حاکم کی بھلائی مضمّن ہے۔

ضمیمہ

- 1- حمد
- 2- نعت
- 3- رباعیات
- 4- کہانیاں
- 5- ممتاز شخصیات

حمد باری تعالیٰ

یہ حسین رت یہ رنگیں فضا تجھ سے ہے
 زندگی کا یہ سارا مزہ تجھ سے ہے
 ہم ہیں عاصی کہ یہ مدعا تجھ سے ہے
 تیرا رحم و کرم ہو دُعا تجھ سے ہے
 تو نے بخشی ہیں کیا کیا ہمیں نعمتیں
 لمحہ لمحہ سکوں کا ملا تجھ سے ہے
 کفر کے ہیں اندھیرے ہر اک سو مگر
 دل میں ایمان کی اک ضیا تجھ سے ہے
 تیرے قبضے میں ہیں سب حیات و ممات
 زندگی کی فنا اور بقا تجھ سے ہے
 لب پہ جاری رہے کلمہ حق سدا
 میرے مالک یہ التجا تجھ سے ہے
 لینے والے ہیں ہم دینے والا ہے تو
 اس لئے ہر کوئی مانگتا تجھ سے ہے
 تو نہیں تو زمیں آسماں کچھ نہیں
 رونق و حسن ارض و سماں تجھ سے ہے
 ابتداء میں تو انتہا بھی تو
 ابتداء تجھ سے ہے انتہا تجھ سے ہے
 حمد تیری بیاں کیوں نہ غازی کرے
 فہم و ادراک اُس کو ملا تجھ سے ہے

نعت شریف

حق پرستی حق پسندی کا بیاں اچھا لگا
 ذکر احمد ہر کسی کے درمیاں اچھا لگا
 وہ خیالِ مصطفیٰ شایانِ شان اچھا لگا
 وہ تصوِ رُخوب تر اور وہ گماں اچھا لگا
 روضۂ اطہر کا حسنِ ضوفشاں اچھا لگا
 گنبدِ خضریٰ کا حسنِ جاوداں اچھا لگا
 کتنی راحت اور سکونِ قلب ملتا ہے یہاں
 یہ مدینے کا شہرِ جنتِ نشاں اچھا لگا
 بس گیا ہے میری آنکھوں میں جمالِ مصطفیٰ
 شہرِ طیبہ کا مجھے ہر اک سماں اچھا لگا
 جس میں رہتے ہیں اور بستے ہیں محمد مصطفیٰ
 وہ گلی اچھی لگی اور وہ مکاں اچھا لگا
 اے محمد آپ کے آنے سے بدلی ہے فضا
 اس لئے ہی تو زمیں اور آسماں اچھا لگا
 جی یہ چاہے کہ وہاں پر مستقل رہ جاؤں میں
 جس جگہ ہیں مرے آقا بس وہاں اچھا لگا
 میرے آقا سے حسینِ غازی کہیں دیکھا نہیں
 آپ کا حسن و جمالِ جاوداں اچھا لگا

نعت شریف

اُمّی لقب ہیں ہمارے محمدؐ
 بڑی شان والے ہیں پیارے محمدؐ
 انھوں نے محبت سے جینا سکھایا
 صداقت کا رستہ بھی ہم کو دکھایا
 جہالت کے جتنے نشاں تھے مٹائے
 نئی زندگی کے قرینے سکھائے
 انھوں نے ہمیں قرآن کا تحفہ دیا ہے
 کبھی تم نہ بھٹکو گے وعدہ کیا ہے
 امانت میں ہرگز خیانت نہ کرنا
 یہ فرمان ہے تم نہ باطل سے ڈرنا
 کتابوں ، فرشتوں پہ ایمان رکھنا
 کہ تم آخرت پہ بھی ایمان رکھنا
 خدا کی عبادت سے پیچھے نہ ہٹنا
 کبھی تم اے لوگو! نہ فرقوں میں بٹنا
 غریبوں ، یتیموں سے تم پیار کرنا
 سدا نیکی کرنے کا اقرار کرنا
 یہ باتیں ہیں پیارے نبی ﷺ کی اے بچو!
 انھیں غور سے تم پڑھو اور سمجھو
 حبیب ﷺ خدا کا ادب کرتے رہنا
 ہمیشہ خدا سے بھی تم ڈرتے رہنا
 وہی بچے دُنیا میں آگے بڑھیں گے
 نبی ﷺ کے جو نقش قدم پر چلیں گے

☆ الفاظ کے سامنے لکھے گئے درست معنی کے دائرے میں رنگ بھرئیے :

امی	:	جو پڑھنا لکھنا جانتے ہو	-	جنھوں نے پڑھنا لکھنا نہ سیکھا ہو
لقب	:	کسی کا اصل نام	-	وہ نام جو کسی خوبی یا خامی کی وجہ سے پڑ جائے
صداقت	:	برائی	-	سچائی
قرینے	:	آئینہ	-	سلیقہ
ایقان	:	یقین	-	محبت

نعتِ رسولِ پاک

ابتداء سے انتہا تک رہنما ہیں مصطفےٰ
 منع رشد و ہدایت بر ملا ہیں مصطفےٰ
 وجہ تخلیق دو عالم باخدا ہیں مصطفےٰ
 دونوں عالم میں ہمارا آسرا ہیں مصطفےٰ
 قل ھو اللہ احد ہے ذاتِ باری الیقین
 ساری خلقت میں یگانہ مرجبا ہیں مصطفےٰ
 اول و آخر نبی ہیں پاسبانِ دین حق
 ہر لحاظ و مرتبے سے باصفا ہیں مصطفےٰ
 مسجد و محراب و منبر دین و ایماں آپ سے
 برگزیدہ حکم رب سے مقتدا ہیں مصطفےٰ
 پیکرِ حلم و متانت ذاتِ اقدس آپ کی
 سربہ سر رحمت حبیبِ کبریا ہیں مصطفےٰ
 شاکرِ ناداں سے کیا ہو مدحتِ شاہِ اُمم
 عقل و دانش کی حدوں سے ماورئ ہیں مصطفےٰ

ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

جس بات پہ ہم منہ کھولیں گے
سچ جھوٹ کو پہلے تو لیں گے
پھر سچے رستے ہو لیں گے
کیوں جھوٹے موتی رو لیں گے

ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

جس بات سے ہو ناراضِ خدا
ماں باپ الگ ہوں جس سے خفا
رنجیدہ ہوں استادِ جدا
اس بات سے ہم کو حاصل کیا

ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

کرتا ہے جھوٹ پہ کون یقین
سب جھوٹ پہ کرتے ہیں نفیریں
جھوٹے کی قدر نہیں ہے کہیں
یہ سچ ہے ”ساخ کو آنچ نہیں“

ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

سچے کی عزت ہوتی ہے
جھوٹے کی ذلت ہوتی ہے
سچے پر رحمت ہوتی ہے
جھوٹے پر لعنت ہوتی ہے

ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

دی سچی زباں خدا نے ہمیں
توبہ! توبہ! کیوں جھوٹ کہیں
جو جھوٹ کہیں وہ خوار پھریں
یارب! ہم جھوٹ سے دور رہیں
ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

مسلمہ کی دُعا

(بنتِ محبتیٰ مینا)

زر و جواہر کی کوئی خواہش ، نہ مال و دولت کی کچھ تمنا
میں مسلمہ ہوں مجھے عطا کر ، الہی تو نیکیوں کا گہنا
مری نگاہوں میں ہیج ہے سب ، یہ پر نیاں و حریر و دینا
ترے خزانے میں کیا کمی ہے ، مجھے عطا کر لباسِ تقویٰ
میں حسن سیرت کا وہ نمونہ ، بنوں کہ دُنیا پکار اُٹھے
یہ کس چمن کی کلی کھلی ہے ، یہ کس گلستاں کا پھول مہکا
مری نگاہوں میں شرم آگئیں ، مری ادائیں ہوں جانِ عصمت
بلند ہو نامِ بنتِ آدم ، الہی دے وہ ردائے عظمت
مری ہر اک آرزو کا مقصد ، مری ہر اک التجا کا مطلب
جہاں میں تیری رضا کی خاطر ، نظامِ حق کا قیام یارب
کٹھن ہے رستہ ، سفر ہے مشکل ، یہ جنگ ہے جنگِ حق و باطل
میں مسلمہ ہوں ، مجاہدہ ہوں ، تو کیوں کر فکر سہل و مشکل
یہ کام جس کا وہ خود کرے گا ، مجھے تو بس بندگی سے مطلب
جو راہِ اُلفت میں بیت جائے مجھے تو اُس زندگی سے مطلب
حیاتِ فانی کا یا الہی ! تو لمحہ لمحہ دوام کر دے!
نفسِ زندگی کا یارب ! تو دینِ حق کا پیام کر دے!

رباعیات

خالق جو خداخواستہ دو ہوتے
 لڑبھڑ کے وہ اپنی خدائی کھوتے
 اور آتا نظامِ عالم میں کہیں فرق
 جو اُگتے اگر کسان گیہوں بوتے

برتن دھوتے ہو جب کھانا پکاتے ہو تم
 دھوتے رہو رکابی کو بھی جب کھاتے ہو تم
 کیا جسم پہ جمتے ہی نہیں گرد و غبار
 پھر کیوں نہیں ہر روز نہاتے ہو تم

پیار کے پاس جاؤ تو غل نہ مچاؤ
 تسکین دو اور اس کو راحت پہنچاؤ
 سوتا ہوا ہو تو چپ رہو سونے دو
 گھر والوں سے حال پوچھ کر واپس آؤ

دعوت میں کسی کے گھر اگر جاؤ تم
 تہذیب سے بیٹھو اور کم کھاؤ تم
 کپڑے نہ ہوں داندار کھانے سے کبھی
 ایسا نہ ہو محفلوں میں شرماؤ تم

دیس کے سپاہی

ہم دیس کے سپاہی ہم دیس کے سپاہی
جیسے ملی ہوئی ہے جنت کی بادشاہی

ہم دیس کے سپاہی ہم دیس کے سپاہی

بھولے سے آنچ آئے گر اس حسین چمن پر
بہنتے ہوئے لٹادیں جاں مادرِ وطن پر
دے گا عمل ہمارا ہر قول کی گواہی

ہم دیس کے سپاہی ہم دیس کے سپاہی

اُلفت کی پھیل جائے سارے جہاں میں خوشبو
قائم رہے ہمیشہ امن و امان ہر سو
بچو! اس میں پنہاں دُنیا کی خیر خواہی

ہم دیس کے سپاہی ہم دیس کے سپاہی

غفلت میں جو پڑے ہیں لازم اُنھیں ہے جاگیں
ہے وقت کا تقاضا نفرت سے دور بھاگیں
آپس میں گر لڑیں گے آجائے گی تباہی

ہم دیس کے سپاہی ہم دیس کے سپاہی

جو ہیں غریب مفلس نادار بے سہارے
ہر پل ترس رہے ہیں خوشبو کو وہ بچارے
مل جل کے دور کر دیں ہم ان کی بے پناہی

ہم دیس کے سپاہی ہم دیس کے سپاہی

ظفر کمالی

”نذر ہندوستان“

دلکش و دل ربا خوش نما دل نشیں
ہند کی سر زمیں تاج کتنی حسین

لہلہاتی ہوئی ہر طرف کھیتیاں
اور پگھٹ پہ جاتی ہوئی گوریاں
کھٹکھٹاتی ہوئیں پائلیں چوڑیاں
جیسے اڑتی ہوئی رنگ رنگ تتلیاں

ہند کی سر زمیں تاج کتنی حسین

گنگا ، جمنا ، کرشنا وگوداوری
خونِ دل کی طرح ہے رواں ہر ندی
برف کی ہے رداؤں میں لپٹی ہوئی
ہے ہمالہ کی آغوش میں زندگی

ہند کی سر زمیں تاج کتنی حسین

مسکراتا ہوا نیلگوں آسماں
دور تک ہیں زمیں پر کئی گلستاں
مختلف لوگ ہیں مختلف بستیاں
مشترک ہے مگر ایک اُردو زباں

ہند کی سر زمیں تاج کتنی حسین

تاجِ ہندوستان یہ دکن ہی تو ہے
کیوں نہ مہکے گا آخر چمن ہی تو ہے
ہاں ، چمن ہے چمن ہے چمن ہی تو ہے
تاجِ ہندوستان یہ دکن ہی تو ہے

ہند کی سر زمیں تاج کتنی حسین

اب کے خوشیوں بھرے حالات مجھے دے دینا
 آرزوؤں کی یہ سوغات مجھے دے دینا
 جگمگائیں مرے دل کے اندھیرے گوشے
 پھر سے ارمانوں کی بارات مجھے دے دینا
 کھل اٹھے جس سے تمناؤں کا سارا گلشن
 وہی موسم وہی لمحے وہی برسات مجھے دے دینا
 اپنے پیغام زمانے کو تم دینا لیکن
 سوچ کر وقت ملاقات مجھے دے دینا
 اپنے ظلموں کی تلافی جو تمہیں کرنی ہو
 مرے گزرے ہوئے دن رات مجھے دے دینا
 شام ، رنگین سحر مہکی ہوئی رہتی تھی
 وہ حسین دن وہ خیالات مجھے دے دینا
 ☆☆☆☆☆☆☆☆

ہاتھوں سے دو کام کیے ایک اچھا اور ایک برا
 اور منہ سے دو بول کہے ایک اچھا اور ایک برا
 یہ بھی جانچا جائے گا وہ بھی پرکھا جائے گا
 اپنی اپنی کرنی کا ہر انسان پھل پائے گا
 کب کیا دیکھیں آنکھوں سے راتیں اچھی اور بری
 اور سنیں کیا کانوں سے باتیں اچھی اور بری
 جو کچھ دیکھا اور سنا دیکھا بھالا جائے گا
 اپنی اپنی کرنی کا ہر انسان پھل پائے گا
 جب کرنے کچھ کام چلے پہلے سوچا نام چلے
 صبح چلے رستے رستے بے رستے پھر شام چلے
 یہ اور وہ ہر ایک قدم ناپا تو لا جائے گا
 اپنی اپنی کرنی کا ہر انسان پھل پائے گا

تر لقمہ بھی نوش کیا کھایا روکھا پھیکا بھی
 ریشم مخمل بھی پہنا پہنا کھادی گاڑھا بھی
 اُس دن کھایا اور پیا ماٹل آگے آئے گا
 اپنی اپنی کرنی کا ہر انسان پھل پائے گا

ماٹل خیر آبادی

اُستاد ہو کیسا بھی عقیدت سے ملو
 عالم ہے اگر کوئی تو عزت سے ملو
 زردار کی بے وجہ نہ کرنا تعظیم
 جب دوست ہو مفلس تو محبت سے ملو

مسجد کو چلے چلو نمازی بن کر
 سنتے ہی اذان اُٹھو نمازی بن کر
 پیدا کرو اخلاق بھی اعلیٰ خود میں
 انسان بھی تو بنو نمازی بن کر

عادل اسیر دہلوی

منزل بھی یہی ہے اور یہ جادہ ہے مرا
 تہذیب کے سانچے میں لبادہ ہے مرا
 ہر شخص کو نیکی کے سکھاؤں آداب
 دُنیا کو بدل دوں یہ ارادہ ہے مرا

دل میں نہ رکھوں جگہ برائی کے لئے
 مشہور ہے یہ آئندہ صفائی کے لئے
 خدمت کا مری جذبہ نہ محدود رہے
 میں کام کروں سب کی بھلائی کے لئے

رباعیات

حضرت محمد عبدالقدیر صدیقی حسرت

جھوٹ کے راج میں سچ بولنے والے ہم ہیں
کالے بازار میں حق تولنے والے ہم ہیں
ہم یہ کہتے ہیں نہیں موتیوں کا کال ابھی
سچے موتی ہی یہاں رونے والے ہم ہیں

حسرت

ہر چیز مسبب سبب سے مانگو
منت سے خوشامد سے ادب سے مانگو
کیوں غیر کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہو
بندے ہو اگر رب کے تو رب سے مانگو

امجد

بڑھے چلو

اُٹھو اُٹھو ، اُٹھو اُٹھو کمر کسو ، کمر کسو ، کمر کسو
 سحر سے پہلے چل پڑو کڑی ہے راہ دوستو!
 تھکن کا نام بھی نہ لو
 بڑھے چلو ! بڑھے چلو
 جھک نہ دل میں لاؤ تم بس اب قدم اُٹھاؤ تم
 ذرا نہ ڈگمگاو تم خدا سے لو لگاؤ تم
 ملول و مضطرب نہ ہو
 بڑھے چلو ! بڑھے چلو
 اُٹھا دیا قدم اگر تو ختم ہے بس اب سفر
 ہے راہ صاف و بے خطر نہ کوئی خوف ہے نہ ڈر
 چلے چلو ! بڑھے چلو
 بڑھے چلو ! بڑھے چلو
 تمہارے ہم سفر جو تھے وہ منزلوں پہ جا لگے
 سب آگے تم سے بڑھ گئے مگر ہو تم پڑے ہوئے
 ذرا سمجھ سے کام لو
 بڑھے چلو ! بڑھے چلو
 دلوں میں ہے جو ولولہ تو ڈال دو گے زلزلہ
 رہے بلند حوصلہ وہ سامنے ہے مرحلہ
 وہیں پہنچ کے سانس لو
 بڑھے چلو ! بڑھے چلو

(محمد مصطفیٰ خان مداح)

ترانہ

کردیں گے ہم اس پر اپنا تن من دھن قرباں
سب سے اچھا سب سے نیارا پیارا ہندوستان

ہندو ہوں یا مسلم ہوں یا سکھ ہوں یا عیسائی
گورے ہوں یا کالے ، ہیں آپس میں بھائی بھائی
مل جل کر دانا رہتے ہیں لڑتے ہیں نادان

سب سے اچھا سب سے نیارا پیارا ہندوستان

امرت سے بھی بڑھ کر ہے گنگا جمنا کا پانی
جو بھی اس پانی کو پی لے بولے میٹھی بانی
صحرا ، جنگل ، پربت ، جھوٹے چھیڑو ایسی تان

سب سے اچھا سب سے نیارا پیارا ہندوستان

دل کعبہ ہے دل مندر ہے پھر دل کیوں ہم توڑیں نعوذ باللہ
ہر دل میں ہے گھر کر جائیں آپس میں ناطہ جوڑیں
کہتی ہے یہ گیتا سب سے کہتا ہے قرآن

سب سے اچھا سب سے نیارا پیارا ہندوستان

آسامی ہوں بنگالی ہوں یا ہوں راجستھانی
گاندھی نہرو کے وارث ہیں بچے ہندوستانی
جو ہر اپنے دکھلائیں گے ماریں گے میدان

سب سے اچھا سب سے نیارا پیارا ہندوستان

کہانیاں

آپ کو کون بچائے گا

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حکم سے مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے تو مدینہ کے لوگوں نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شاندار استقبال کیا۔ چھوٹی لڑکیاں خوشی سے گیت گارہی تھیں۔ مدینہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسجد تعمیر کی جس کو مسجد نبوی کہا جاتا ہے۔ مدینہ میں رہ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اسلام کو پھیلانے میں جٹ گئے۔

اسلام کو پھیلانے کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ الگ الگ جگہوں پر جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ چلتے چلتے دوپہر کا وقت ہو گیا پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں نے آرام کرنے کا ارادہ کیا۔ پیارے آپ کا ایک درخت کے سایے میں ٹھہر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار درخت کی ڈالی پر لگائی اور وہیں آرام کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی بھی الگ الگ جگہوں پر آرام کر رہے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے تھے۔ پاس میں کوئی نہیں تھا۔ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن پہاڑوں سے نکل آیا۔ درخت پر لٹکی ہوئی تلوار اٹھائی۔ آہٹ پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک دشمن تلوار اٹھائے کھڑا ہے اس نے لکار کر کہا، محمد! آج تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔ اللہ!

اللہ کا نام سن کر اس پر ایسا خوف طاری ہوا کہ وہ تھر تھر کانپنے لگا اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔

اب تلوار پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بتا! اب تجھے مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ وہ اللہ کو نہیں مانتا تھا۔ اسے اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ گھبرا کر بولا: حضور کے رحم کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اچھا سلوک کرنے والوں میں سے ہیں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی جنگ نہیں کروں گا اور نہ ہی ان لوگوں کا ساتھ دوں گا جو آپ سے جنگ کریں گے۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھوڑ دیا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور کہا میں ایک بہترین شخص کے پاس سے آیا ہوں۔ وہ رحم کرنے والے ہیں۔ ان کی عادت عمدہ ہے۔

پیارے بچو! ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو قتل کر سکتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معاف کر دیا۔ معاف کرنا اچھی عادت ہے۔ اس سے دشمن بھی دوست ہو جاتا ہے۔

سونے کی اینٹیں

(توشہ-حصہ بخر-صلاح-یہودی)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول تھے۔ ایک دفعہ سفر میں ایک یہودی آپ کے ساتھ ہولیا۔ آپ نے اسے توشہ دے کر فرمایا۔ یہ رکھ لو۔ اس میں تین روٹیاں اور مچھلیاں ہیں۔ راستے میں جہاں بھوک لگے گی کھالیں گے۔“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آگے آگے چل رہے تھے اور یہودی ان کے پیچھے پیچھے تھا۔ وہ کبھی کبھی چپکے سے روٹی کا ٹکڑا توڑ کر منہ میں رکھ لیتا اور کھاتا جاتا۔ اس طرح اس نے ایک روٹی ختم کر دی چلتے چلتے

دوپہر ہوئی اور ایک دریا راستے میں آیا تو حضرت نے فرمایا تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ۔ کھانا کھا کر آرام کریں گے۔“ پھر توشہ کھول کر دیکھا کہ اس میں دوہی روٹیاں ہیں۔ فرمایا اس میں تو دو روٹیاں ہیں۔ تین رکھی تھیں۔ یہودی نے کہا جی نہیں دوہی تھیں۔“ حضرت نے فرمایا خیر، لو ایک روٹی تم کھاؤ، ایک میں کھاتا ہوں“

کھاپی کر دیا کے پار ہوئے تو تھوڑے فاصلے پر راستے میں سونے کی تین اینٹیں پڑی ہوئی ملی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہاں بیٹھ گئے۔ یہودی کو ایک اینٹ دے کر فرمایا۔ یہ ایک اینٹ تو تم لے لو ایک میں لے لیتا ہوں۔ اور یہ تیسری اینٹ اس کی ہے جس نے توشے کی تیسری روٹی کھائی تھی۔“

اس بات پر یہودی جھٹ بول اٹھا، حضور وہ روٹی میں نے ہی کھائی تھی۔ معاف کیجئے اس وقت میں نے جھوٹ کہا تھا۔

حضرت نے فرمایا۔ اچھا تو یہ بھی تم لے لو اور یہ میرا حصہ بھی لے لو۔ اب اپنے گھر جاؤ۔ یہودی خوش ہو کر لوٹا۔ دریا پار کیا تو راستے میں چند ڈاکوؤں نے اسے پکڑ لیا تلاشی لی۔ سونے کی اینٹیں دیکھیں تو اسے قتل کر دیا اور وہیں آپس میں حصہ بخر کرنے بیٹھ گئے۔

ڈاکوؤں نے اپنے دوستھیوں سے کہا۔ شہر جا کر مٹھائی خرید لاؤ یہیں کھاپی کر یہ مال بانٹ لیں گے۔“ دونوں نے شہر جا کر مٹھائی خریدی اور آپس میں صلاح کر کے مٹھائی میں زہر ملا دیا تاکہ وہ کھا کر مرجائیں اور سونے کی اینٹیں دونوں ہی لے لیں۔

ادھر جنگل میں باقی ڈاکوؤں نے بھی صلاح کی کہ پانی میں زہر گھول دیا کہ مٹھائی لے کر آنے والے دونوں ساتھی پیئیں اور مرجائیں نتیجہ یہ ہوا کہ اس طرح سب ڈاکو جنگل ہی میں ڈھیر ہو گئے اور سونے کی اینٹیں جوں کی توں دھری رہ گئیں۔ سچ ہی کہا ہے کسی نے حرام مال اور لالچ کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے۔

تحفہ

ڈیڑھ گھنٹہ سے تیار بیٹھا اسلم بارش رکنے کا انتظار کر رہا تھا۔ آج اس کے عزیز دوست روہن کی سالگرہ تھی، پارٹی تین بجے تھی۔ بارش کے دن تھے اس لیے پارٹی شام کے بجائے دن میں رکھی گئی تھی۔ دوپہر ایک بجے سے بارش جو شروع ہوئی تو رکنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔

”امی، اسلم پیرٹیک کر بولا۔ ”آخر کب رے گی یہ بارش! مجھے دیر ہو رہی ہے“

”بیٹے! یہ کسی کے بس کی بات نہیں ہے..... رک جائے گی“ امی نے دلا سہ دیا،

”کب رے گی؟ وہاں کیک کٹ جائے گا۔ آپ جانتی ہیں امی روہن کی سالگرہ میں چاکلیٹ کی بارش ہوتی ہے میری چاکلیٹ

گئیں سب“ اسلم نے روہن سا ہو کر کہا۔

”چاکلیٹ کی بارش! میں سمجھی نہیں“ امی نے حیرت سے کہا۔

”ایک بڑے غبارے میں ڈھیروں چاکلیٹ بھر کر غبارہ چھت سے لٹکا دیا جاتا ہے۔ جیسے ہی روہن کیک کاٹتا ہے، گیلری میں کھڑا

ملازم پن چھو کر غبارہ پھوڑ دیتا ہے۔

”اے لو۔“ امی ہنس کر بولیں، ”کسی کا سر نہیں ٹوٹا چاکلیٹ گرنے سے“۔

”آپ بھی امی بس! چاکلیٹ کے وزن سے کسی کا سر پھوٹتا ہے بھلا؟ چھین لیتے ہیں بچے۔ جو سب سے زیادہ چاکلیٹ جمع کرتا

ہے اسے انعام ملتا ہے۔“ اسلم نے بتایا۔

”بڑی لوٹ مچتی ہوگی بھیا، امی مصنوعی جوش سے بولیں۔“ مزہ بھی آتا ہوگا۔

”اور کیا؟ روہن کے بنگلہ کا ہال بہت بڑا ہے۔ جتنا بڑا اپنا گھر ہے اتنا بڑا۔“ چاکلیٹ سب طرف پھیل جاتی ہیں۔ بچے دوڑ دوڑ کر

جمع کرتے ہیں۔ اور بھی بہت سے کھیل رکھے جاتے ہیں۔ مجھے کچھ نہیں ملے گا۔ اسلم رونے لگا۔

”میں کروں تو کیا کروں بیٹے! اس بارش میں باہر نکلنا مشکل ہے۔ رین کوٹ بارش سے بچاؤ نہ کر سکے گا۔ ہوا بھی چل رہی ہے۔

”دیکھیے ساڑھے تین بج گئے۔ سب کھیل ختم ہو جائیں گے۔ سب کو انعام ملے گا میں رہ جاؤں گا۔“

”بیٹے کیسی باتیں کر رہے ہو؟ اس بارش میں وہاں کون پہنچا ہوگا؟ بارش رکنے کے بعد ہی سب نکلیں گے اور پارٹی بھی اسی وقت

شروع ہوگی۔“ امی نے سمجھایا۔

”کیا پتہ کون پہنچے گا کون ہیں پہنچے گا؟ لیکن میرا پہنچنا ضروری ہے۔ روہن میرا سب سے اچھا دوست ہے۔“ اسلم باہر جھانکتا ہوا

بولاً۔

امی بولیں۔ ”وہ تمہارا سب سے اچھا دوست ہے تو تم بھی اس کے سب سے اچھے دوست ہو گے۔ وہ یقیناً تمہارا انتظار کریگا۔“
کب تک انتظار کرے گا؟ زیادہ سے زیادہ آدھا گھنٹہ۔ اسلم چڑ کر بولا، ”یہ بارش دن میں کیوں ہوتی ہے امی؟“
دن میں کیوں ہوتی کا کیا مطلب بھی؟ ارے یہ تو نظام قدرت ہے۔ ہم تم دخل دینے والے کون؟ امی حیرت سے بولیں۔
”دن کام کرنے کے لیے ہوتا ہے گھر میں بند ہو کر بیٹھنے کے لیے نہیں۔ اسلم بزرگوں کی طرح سمجھاتا ہوا بولا ”رات میں برسے نا پانی..... چاہے ساری رات برسے مگر صبح آسمان صاف ہو جائے تو کتنی اچھی بات ہے۔“

امی نے اچانک کہا۔ ”اچھا چلو بارش کا زور کم ہو گیا..... اب جاؤ۔“
امی نے اسلم کے رین کوٹ کے بٹن بند کیے۔ ٹوپی ٹھیک سے سر پر جمائی اور تحفہ دے کر روانہ کر دیا۔
شام کو اسلم خوش خوش واپس لوٹا۔ موسم صاف ہو جانے کے بعد تقریباً سب ہی ہم جماعت اور دوست پارٹی میں پہنچ گئے تھے۔
ایک کٹا چاکلیٹ لوٹے گئے۔ مختلف کھیل کھیلے گئے۔ وہی بڑے اور رس گلے کھائے گئے۔ تحفہ دیے گئے اور پارٹی ختم ہو گئی۔
دوسرے روز اسکول میں بھی روہن کی پارٹی کا چرچا رہا۔ اسلم اسکول سے لوٹ کر وہی باتیں کرتا رہا۔ امی نے اسلم کو دودھ کا گلاس دیتے ہوئے کہا۔ ”بیٹے! کل تم نے ایک بات کہی تھی کہ بارش دن میں کیوں ہوتی ہے؟ رات میں برسے پانی..... چاہے ساری رات برسے۔“

”اور کیا امی! اسلم دودھ پی کر بولا۔“ چاروں طرف کیچڑ ہو جائے موسم خراب ہو جائے تو بھلا کچھ اچھا لگتا ہے۔“
”تم نے یہ بھی کہا تھا کہ دن کام کرنے کے لیے ہوتا ہے رات آرام کرنے کے لیے۔“
”ہاں..... صحیح تو ہے..... بڑے کام کرتے ہیں۔ بچے پڑھائی کرتے ہیں تو رات میں آرام ضروری ہونا؟ اسلم نے الٹا امی ہی سے سوال کر دیا۔“

یہی بات بیٹے یہی بات، امی نے پیار سے اسے قریب کرتے ہوئے کہا۔ ”ہم بہت دولت مند نہیں ہیں لیکن خدا کے فضل سے ہمارے گھر پر مضبوط چھت ہے۔ آرام دہ بستر ہیں اس لیے رات میں چاہے آندھی طوفان آئے، بجلی کڑکے، یا موسلا دھار بارش ہو، ہم آرام سے نیند پوری کرتے ہیں۔“ اسلم خاموش انہیں دیکھتا رہا۔

مگر تم نے بیٹے..... ان کے بارے میں سوچا ہے جو کچی چھت کی جھونپڑیوں میں رہتے ہیں، جن کے گھر میں مٹی کا فرش ہوتا ہے۔ جن کے پاس اوڑھنے کے لیے رضائی نہیں ہوتی۔ ان کا کیا حال ہوتا ہوگا؟ اسلم کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے؟

امی بولیں۔ دن میں بارش ہو وہ دوڑ کر کہیں بھی پناہ لے لیں، کسی گھر کے برآمدہ میں، گھنے پیڑ کے نیچے، کسی اسکول کی عمارت میں، کسی دیوار کے سائے میں..... اجالے میں انسان اپنے بچاؤ کا سامان باسانی کر سکتا ہے مگر سوچو تو رات کا اندھیرا مسلسل بارش میں

کچی چھت ٹپکنے لگے۔ نیچے کی زمین نم ہو جائے تو غریب کہاں جائیں گے بھلا!

سچ..... سچ امی ان کی بڑی مشکل ہوتی ہوگی۔ اسلم بس اتنا ہی کہہ سکا۔

’دن میں وہ غریب پتھر توڑتے ہیں بوجھ اٹھاتے ہیں۔ یوں کہہ کر جان توڑ محنت کرتے ہیں کیا رات کو آرام کا ان کا حق نہیں ہے‘
’ہے امی..... انہیں تو آرام کی زیادہ ضرورت ہے۔‘

’تو میرے پیارے بیٹے..... میں یہی کہنا چاہتی ہوں کہ ہمیں صرف اپنے آرام، اپنی سہولت ہی کا خیال نہیں رکھنا چاہیے دوسروں کے بارے میں بھی سوچنا چاہیے۔ بارش دھوپ، گرمی، سردی، دکھ، سکھ سب اللہ کے ہاتھ میں ہے مگر ہم دوسروں کی بھلائی کے لیے دعا تو کر سکتے ہیں۔ کل تمہیں بارش کے سبب اپنے دوست کے گھر جانے میں دیر ہوئی تو تم سب کا برا سوچنے لگے۔ میں کل ہی تمہیں سمجھانا چاہتی تھی مگر تم پارٹی میں مگن تھے۔ کیا پتہ میری بات سننے یا نہ سننے؟

’میری پیاری امی‘ اسلم نے امی کی گود میں سر رکھتے ہوئے کہا۔ ’مجھ سے غلطی ہوئی۔ آپ کتنی اچھی باتیں کرتی ہیں۔ اب میں بھی اچھا بیٹا بننے کی کوشش کروں گا۔ روہن کی سالگرہ میں اچھے اچھے نئے ملے ہوں گے۔ مگر میرا یہ تحفہ تو شاید سب سے اچھا ہے۔ آپ کی نصیحت میرا تحفہ ہے!‘

اپنی دھرتی۔ اپنے لوگ

اپنی دھرتی اپنے لوگوں سے دور ایک اجنبی دلش کی ایئر پورٹ پر جب میں پہنچا تو جو جہاز پانچ منٹ بعد اڑنے والا تھا۔ اس میں کسی فنی خرابی کی وجہ سے ۲۵ منٹ لیٹ ہو گیا تھا۔ اپنا دلش ہوتا وہ ۲۵ منٹ تو کیا ۲۵ گھنٹے کی تاخیر سے بھی کوئی فرق نہ پڑتا لوگ اطمینان سے ادھر ادھر ڈیرہ جمادیتے مگر یہاں یہ حال تھا کہ انا و نسمنٹ کے دوسرے لمحہ ایئر پورٹ خالی تھا۔ یا تو وہ لوگ کسی دوسری ایئر پورٹ کا رخ کیے ہونگے یا پھر اپنے اس وقت کو جو انہیں میسر آ گیا تھا کسی کام میں لگانے کے لیے واپس شہر چلے گئے ہوں۔ لیکن مجھے ایسی کوئی جلدی نہ تھی اور چونکہ اس شہر میں میرا کام باقی تھا کہ واپس جاتا میں نے اس وقت کو ایئر پورٹ پر ہی گزارنے کا تہیہ کر لیا۔ اس لیے کہ یہاں بے کار کے شہر میں واپس جانے کے معنی تھا۔ ہزاروں روپیے کا غیر ضروری خرچ۔ میں وقت گزارنے کے لیے ٹہلتا ہوا اس طرف جا نکلا جہاں تمام ممالک کے اخبارات کا اسٹانڈ تھا۔ میں نے ایک ہندوستانی اخبار کے لیے آٹومیٹک مشین میں سکہ ڈالا اخبار نکل آیا۔ میں اخبار میں لے کر گیلری کی طرف چلا آیا۔ اور ایک بیچ پر بیٹھ کر اخبار پڑھنے لگا۔ پہلے صفحہ پر ہی بڑی سرخی تھی کہ اس سال بہت سے لوگوں کو صدر جمہوریہ یوم آزادی کے موقع پر اعزازت دیئے۔ جو اس سال کے دوران مختلف شعبہ ہائے حیات میں کارہائے نمایاں انجام دینے

تھے جیسے ٹکنالوجی، سائنس، ادب، تعلیم وغیرہ ان کے ناموں کی تفصیل اور ان کے کاموں کی تفصیل بھی درج تھی۔ میں نے یونہی سرسری نظر ڈالی اور ایک ٹھنڈی سانس لی۔ سوچا کتنے خوش نصیب ہیں یہ لوگ جو اپنی دھرتی اپنے لوگوں کی خدمت کرتے ہوئے اپنی منزل مقصود کو پا گئے۔ اور ایک ہم ہیں جو منزل کی تلاش میں آج بھی بھٹک رہے ہیں۔ کیونکہ مشکلات سے گھبرا کر اپنی ماں کی آغوش چھوڑ آئے ہیں۔ نہ خدا ہی ملا نہ وصال صدمہ والا معاملہ ہمارا ہو گیا ہے۔ یہاں سب کچھ ہے۔ بنگلے ہیں کار ہے۔ خوبصورت لباس ہے۔ پیسہ ہے مگر۔ وہ پیار وہ گرمجوشی وہ محبت کہاں؟ ایک مشین کی سی زندگی ہے۔ وقت کے بٹن سے جڑی ہوئی۔ کھٹ کھٹ کرتی ہوئی۔ میں نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ آسمان بھی اجنبی تھا۔ وہ کیا ہمدردی کرتا۔ میں نے پھر نظریں اخبار پر جمادیں۔ دوسرے صفحہ پر تصویریں تین اعزاز لیتے ہوئے۔ عجیب قوس قزح کا منظر تھا۔ مختلف لباسوں میں تھے لینے والے۔ کوئی دھوتی پر کوٹ پہنے ہے تو کوئی شیریوانی۔ کوئی سوٹ پہنے ہے تو کوئی بشرٹ، کوئی پگڑی باندھے تو کوئی ٹوپی لگائے ہے۔ کوئی چوڑا شرٹ میں ہے تو کوئی شلوار شرٹ میں۔ نام بھی ہر قسم کے تھے۔ راؤ، ریڈی، مائیکل، احمد، قریشی، قادری ہر قسم کے نام ہر مذہب ہر فرقے ہر اسٹیٹ سے چنے ہوئے لوگوں کے نام۔ کوئی مسلمان تھا تو کوئی ہندو، کوئی سکھ تھا تو کوئی عیسائی، کوئی پارسی تھا تو کوئی لمباڑی۔ پھر میرا سراپنے ملک کی عظمت اور اس کے سیکولرازم کے جذبہ پر جھک گیا۔ اور تب ہی میں چونک پڑا۔ میں ان تصاویر میں ایک عورت کی تصویر کو غور سے دیکھنے لگا۔ صورت جانی پہچانی سی لگی تھی۔ مگر وثوق سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ کون ہے۔ میں نے نام پڑھا۔ سارہ عبدالقیوم لکھا ہوا تھا۔ وہ ادھیڑ عمر کی ایک باوقار خاتون کی تصویر تھی۔ جو ساڑھی پہنے ہوئے تھیں کندھوں پر شمال تھی۔ آنکھوں پر چشمہ وہ بڑے وقار انداز میں اپنا ایوارڈ حاصل کر رہی تھی۔ جوان کے کسی سوشل کام کے سلسلہ میں دیا گیا تھا۔ کتنی اونچی چلی گئی ہے سارہ میں نے سوچا۔ آخر کار اس نے منزل کو پالیا۔ بھارت کی بیٹی نے اپنے ماں کے قدموں ہی میں جنت ڈھونڈ لی۔ قربانیوں کا صلہ مل گیا اس کو۔ بھارت ماتا نے اپنی بیٹی کو نواز دیا۔ چند دن کا ٹیکہ لگا دیا اس کے ماتھے پر جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔ جگمگاتا رہے گا۔ میں نے تصویر سے نظریں ہٹا دیں اور آنکھیں بند کر لی۔ میں اپنے ماں باپ کا ایک ہی بیٹا تھا۔ میری ایک بہن تھی۔ ہم ایک قصبہ میں رہتے تھے۔ جہاں ہائی اسکول تھا۔ میرے والد ایک معمولی ٹیچر تھے۔ میں اس زمانے میں نویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ ایک شام کتابیں ہاتھ میں لیے جلدی جلدی گھر میں داخل ہوا تو اندر بھاگتی ہوئی ایک لڑکی مجھ سے ٹکرائی۔ میرے ہاتھ سے کتابیں اور ٹفن کا ڈبہ گر کر بکھر گیا۔ مجھے بہت غصہ آیا کہ جانے یہ کون بدتمیز لڑکی ہے۔ میں نے کتابیں اٹھاتے ہوئے کہا۔ ڈپٹ کر پوچھا۔ کون ہو تم۔ یہاں کیا کر رہی ہو۔

ارے۔ اس نے بڑی شدید سی معصوم آواز میں کہا۔ آپ کی آنکھیں تو اچھی خاصی ہیں پھر نظر کیوں نہیں آتا۔

میں اندھا ہوں۔ میں نے کہا۔ اور تم کیا ہو۔ تمہیں نظر نہیں آیا کہہ میں آ رہا ہوں۔

ٹھیک ہے چلو ہم دونوں ہی اندھے ہیں۔ اس نے کہا۔ میرا نام سارہ ہے۔ اس نے کہا اور اندر چلی گئی۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ میری خالہ جن کا امی اکثر ذکر کرتی تھیں۔ جو کسی دوسری اسٹیٹ میں رہتی تھیں آئی ہوئی ہیں ان کے چار بچے ہیں جن میں یہ بڑی ہے۔

وہ لوگ چھٹیاں گزارنے آئے ہیں۔ ایک مہینہ وہ ہمارے ساتھ رہیں گے بعد میں سارہ نے مجھ سے دوستی کر لی تھی۔ وہ 8، 9 سال کی رہی ہوگی۔ دہلی پتلی، سانولی رنگ، دو چوٹیاں ڈالے، فراک پہنے ہر وقت میرے کمرے میں گھسی رہتی۔ ہر وقت یا تو وہ کچھ پڑھتی رہتی یا لکھتی رہتی یا پھر کتابیں الٹی رہتی۔ مجھے حیرت ہوتی تھی کہ گھر میں اور بہت سے بچے تھے۔ محلہ بھر کے بچے آکر اودھم مچاتے مگر وہ کبھی ان کے ساتھ نہ نکلتی۔ وہ عام بچوں سے بالکل مختلف بہت زیادہ سنجیدہ اور اپنی عمر سے بہت زیادہ آگے۔ جب وہ دیکھتی کہ میں بیکار ہوں تو مجھ سے مختلف سوالات کرتی رہتی۔ پہلے تو میں جھلاتا تھا مگر رفتہ رفتہ اچھا لگنے لگا۔ میں سمجھ گیا کہ اس میں سیکھنے کا جذبہ اتنا زیادہ ہے کہ وہ ہر وقت پوچھنا اور معلوم کرنا چاہتی ہے۔ مجھے وہ بہت اچھی لگنے لگی تھی۔ بہت ہی پیاری میں اس کا عادی ہو گیا تھا۔ میرے کمرے میں اس کا وجود۔ ایسا لگتا جیسے یہ ہمیشہ ہی سے رہتی آئی ہے۔ اور ہمیشہ رہے گی۔ لیکن ایسا نہیں تھا۔ حقیقت، حقیقت میں ہوتی ہے۔ چھٹیاں ختم ہو گئیں۔ اور وہ اپنی والدہ کے ساتھ چلی گئی۔ مہینوں برسوں تک بھی میں اسے نہ بھلا سکا۔ کمرے میں ایک عجیب اداسی اور ویرانی کا احساس ہوتا تھا۔ کبھی کبھی کتاب ہاتھ میں لیے میں پڑھتے پڑھتے اس کا تصور کرنے لگا۔ جیسے وہ پوچھ رہی ہو۔ اسرار بھائی۔ یہ کس طرح ہوتا ہے۔ وہ کس طرح ہوتا ہے۔ اور میں اپنے آپ ہی میں مسکرانے لگتا۔ وہ میرے تصور میں اکثر چلی آتی تھی۔ ہنستی مسکراتی فراک پہنے چوٹیاں ہلاتی۔ پڑھتی، گنگنائی بحث کرتی۔ لیکن وقت بہت اچھا مرہم ہے۔ سب بھلا دیتا ہے۔ زندگی کی ہما ہی میں سب مٹ گیا۔ مگر اتنا نہیں تھا کہ میں اسے بھولا نہیں ہوں۔ مگر اب اس کی تصویر دھندلا گئی تھی۔ کبھی کبھی می سے پوچھ لیتا۔ تو وہ کہتیں خط آیا تھا سب اچھے ہیں۔

اس دوران میں نے گریجویشن کر لیا تھا۔ والد ریٹائرڈ ہو گئے تھے۔ بہن کی شادی ہو گئی تھی۔ ہمارے قصبہ میں پوسٹ گریجویشن کا کورس نہیں تھا۔ میں نے دارالحکومت میں داخلہ لے لیا۔ یونیورسٹی میں۔ والدین بھی بے کار ہی تھے وہ لوگ بھی میرے ساتھ ہی شہر چلے آگئے۔ ایک گھر خرید لیا ہم وہیں رہنے لگے۔ میں یونیورسٹی جانے لگا۔

زندگی میں پھر ایک واقعہ دل پر نقش بن کر ابھرا۔ میں یونیورسٹی سے گھر واپس ہوا تو دروازہ اندر سے بند تھا میں نے کال بیل بجائی۔ عام طور پر دروازہ مٹی کھولتی تھیں۔ مگر مجھے حیرت ہوئی اس بار دروازہ ایک نوجوان لڑکی اجنبی لڑکی نے کھولا۔ اور اس سے پہلے کہ میں اندر داخل ہوتا وہ اسرار احمد گھر پر نہیں ہیں۔ کہتی ہوئی اندر چلی گئی۔ میں حیران پریشان اندر گیا تو وہ لڑکی میری می کے ساتھ اور ایک دوسری خاتون کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے ان خاتون کو پہچان لیا۔ وہ میری خالہ تھی۔ اور اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ سارہ تھی۔ میں نے خالہ کو سلام کیا خیریت پوچھی۔ اس دوران سارہ نے بھی سلام کیا اور معافی مانگی کہ وہ مجھے پہچان نہ سکی تھی۔ میں اپنے کمرے میں چلا آیا۔ مجھے سارہ کو دیکھ کر حیرت ہوئی تھی میرے تصور میں وہ آج بھی سفید فراک پہنے سفید موڑے جوتے پہنے: وہ چوٹیاں ڈالے دہلی پتلی، سانولی سی لڑکی تھی۔ اور یہ جو سارہ آج میرے سامنے تھی کتنی بدل گئی تھی۔ وہ کافی خوبصورت دوشیزہ بن گئی تھی۔

مجھے پورا یقین تھا کہ وہ پہلے کی طرح میرے کمرے میں دوڑتی ہوئی چلی آئے گی۔ میری آنکھیں بند کر لیگی۔ میری کتابیں الٹ پلٹ

کرے گی۔ مجھ سے سوالات پوچھے گی باتیں کرے گی۔ مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔ وہ نظر آئی تو رات کھانے کے میز پر ہی۔ اور وہ بالکل خاموش۔ میں نے ہی بات چلائی۔ تو معلوم ہوا کہ وہ اس شہر کے کالج میں داخلہ لینے آئی ہے۔ کیونکہ جہاں وہ لوگ رہتے ہیں۔ وہاں مخلوط تعلیم کے ہی کالج ہیں انٹر کے۔ اور پھر چند سالوں بعد اس کے ڈیڈی کا تبادلہ اس ریاست میں کروالینے کا ارادہ ہے۔ میں نے مخالفت کی کہ گھر رہنے کے بعد ہاسٹل میں رہنا کیا ضروری ہے۔ جبکہ می بھی اکیلی رہتی ہیں۔ مگر خالہ نے کہا سارہ کے والد اس بات کو پسند نہیں کرتے۔ اور میں خاموش ہو گیا۔

ایک ہفتہ بعد خالہ سے ہوسٹل میں شریک کروا کر چلی گئی۔ اب وہ پابندی سے ہر ایک اینڈ پر ہمارے گھر آ جاتی۔ یا اگر کبھی نہ آتی تو میں خود جا کر اسے لے آتا۔ وہ اب مجھے سے پھر کافی بے تکلف ہو گئی تھی۔ خوب باتیں کرتی تھیں۔ مگر ایک خاص بات میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ صرف تعلیم کی حد تک ہی بات کرتی ہے۔ کسی اور موضوع پر بات نہیں کرتی۔ اس کی کسی بھی بات سے یہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا کہ وہ مجھے چاہتی ہے جس طرح سے میں اسے چاہتا ہوں وہ ایک بہت ہی گہری محبت کی لڑکی تھی۔ انتہائی سنجیدہ اور رکھ رکھاؤ والی۔ میں نے بھی کبھی کوشش نہیں کی کہ اپنے کسی رویہ سے اس پر یہ ظاہر ہو کہ میں اسے کسی اور نکتہ نظر سے چاہتا ہوں۔ اس لیے کہ اس کے اور میرے سوشل اسٹیٹس میں بھی بہت فرق تھا۔ اس کے والد بہت بڑے آفیسر تھے۔ وہ بہت زیادہ ٹھاٹھ باٹ کی زندگی کی عادی تھی۔ اس کے والدین کے خیالات بھی بہت اونچے تھے۔ اس لیے مجھے یہ احساس بھی تھا کہ وہ مجھے اس قابل نہ سمجھتی ہوگی۔ میں نے تہہ کر لیا تھا کہ۔۔۔ ہیں خود کو اس کے قابل بنا لوں پھر اس پر اپنے دل کا راز ظاہر کرونگا۔ ہندوستان میں رہ کر فوراً ہی نوکری ملنے۔ اور دولت مند بننے کا خواب دیکھنا بیکار تھا۔ یہاں تو صدیاں بیت جاتی ہیں اپنے اسٹیٹس کو بلند کرنے میں۔ ہاں اگر باہر چلا جایا جائے تو پھر علماء الدین کا چراغ مل سکتا ہے۔ میں نے تعلیم کے دوران ہی میں باہر جانے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ اس لیے تعلیم ختم ہوتے ہی مجھے امریکہ میں ایک اسکا لرشپ مل گیا۔ میں نے اپنے والدین کو بھی تیار کر والیا کہ وہ فکر نہ کریں۔ میں وہاں جا کر جم جاؤنگا مجھے وہاں کی سکونت مل گئی تو میں آپ سب کو بھی بلا لونگا۔ میں نے سنا کہ سارہ نے میرے امریکہ جانے کی سخت مخالفت کی ہے۔ مگر میں کچھ اتنا زیادہ پر جوش تھا کہ میں نے اس کی مخالفت کو جذباتیت سمجھا۔ مجھے یقین تھا کہ اب میری منزل قریب ہے۔ وہاں جا کر میں پڑھائی کے ساتھ ساتھ نوکری کرونگا۔ پھر وہیں رہ جاؤنگا۔ گھر خریدنگا کار خریدنگا۔ دو چار سال کے بعد آ کر میں می کو مجبور کرونگا کہ وہ سارہ کو میرے لیے مانگ لیں۔ پھر سارہ کو لے کر میں امریکہ میں بس جاؤنگا۔ میرا احساس کمتری ختم ہو جائے گا۔ سارہ مجھے رخصت کرنے اسٹیشن بھی نہیں آئی تھی۔ صرف گھر پر ہی خدا حافظ کہہ دیا تھا۔ مگر پھر بھی میں نے توجہ نہیں دی تھی۔ میں چار سال بعد واپس ہندوستان لوٹ آیا۔ مجھے امریکہ میں ایک اچھی نوکری مل گئی تھی۔ شہرت بھی مل گئی تھی۔ میں اپنے ماں باپ کو بھی ساتھ رکھنے کے قابل ہو گیا تھا۔ اس لیے میں نے آتے ہی می سے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ سارہ گریجویٹیشن کا امتحان دے چکی ہے۔ اب اس کے والدین اس کو آگے پڑھانا نہیں چاہتے ہیں اور شادی کرنا چاہتے ہیں اچھے برکی تلاش میں ہیں۔

میں بہت سوچا کہ کیا کروں۔ کیسے اپنا مدعا بیان کروں۔ مئی اس طرف دھیان ہی نہیں دے رہی تھیں۔ وہ سمجھتی تھیں کہ خالہ نہیں مانیں گی۔ مگر میں نے انہیں یقین دلایا کہ آج کل ہندوستانی لڑکیوں کو امریکن امیگرینٹ لڑکے سے شادی کرنا لوگ باعث فخر سمجھتے ہیں۔ اس لیے آپ بات کو چلا کر دیکھئے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ وہ انکار نہیں کریں گے۔

مئی بڑی آس لے کر ان کے پاس گئیں تھیں۔ اور ان کی واپسی تک میں امید و بیم کے درمیان میں جھولتا رہا تھا۔ لیکن جب مئی واپس آتی ہیں تو میں فوراً سمجھ گیا کہ وہ مایوس لوٹی ہیں کیونکہ وہ چہرہ سے بہت تھکی ہوئی اور کئی دن کی بیمار لگ رہی تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ خالوجان کی بے تکی انا اور جھوٹی شان نے اپنا کرشمہ دکھایا ہوگا۔ اور میں خاموش ہو گیا۔

دوسری دن مئی نے مجھے اپنے کمرہ میں بلا اور کہا۔ دیکھو اسرار اگر کسی وجہ سے تمہیں امریکہ چھوڑنے کے لیے کہے اور ہندوستان میں سکونت اختیار کرنے کے لیے کہے تو کیا تم مان لو گے۔

لیکن مئی۔ میں نے کہنا چاہا۔

لیکن وہ یکن کچھ نہیں۔ تم صرف مجھے بتاؤ کہ تم ایسا کر سکتے ہو۔

نہیں مئی اب یہ ناممکن ہے۔ میں نے امیگریشن کے لیے بہت محنت کی ہے۔ مجھے وہاں کی زندگی بھی بہت پسند ہے۔ یہاں لوٹ کر میں کیا کرونگا۔

تو پھر ٹھیک ہے۔ انہوں نے کہا۔ میں پھر بات کرونگی۔

رات بہن نے ایک لفافہ میرے ہاتھ تھما دیا۔ اور چلی گئی۔

میں لفافہ کھولا۔ وہ سارہ کا خط تھا۔ اس نے لکھا تھا۔

اسرار بھائی۔ تسلیمات

میں تو یہ نہیں کہتی کہ مجھے آپ سے محبت ہے۔ عشق ہے۔ مگر نفرت بھی نہیں ہے۔ مجھے آپ ہر طرح پسند تھے اور ہیں۔ آپ نے مجھے غلط سمجھا تھا۔ مجھے پانے کے لیے آپ کو پردیس جا کر ڈالر کمانے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ نے امریکہ جانے سے پہلے ہی یہ مطالبہ کیوں نہیں کیا تھا۔ آپ نے یہ کیوں سمجھا کہ آپ چھوٹے ہیں اور میں بہت اونچی کاش آپ نے یہ سب کچھ نہ سوچ کر مجھے صرف ہندوستانی عورت سمجھا ہوتا۔ جہاں سیتا نے جنم لیا۔ ساوتری اور انسویا نے اپنی جانیں قربان کیں۔ آپ نے اس دھرتی کی طرف کبھی نہیں دیکھا جس نے آپ کو جنم دیا ہے۔ جس نے آپ کو اتنا بڑا کیا۔ جس کی گود میں رہ کر آپ قابل بنے۔ آپ ڈالر کی جھکار پر دوڑ پڑے۔ نہ صرف دوڑ پڑے بلکہ اس کے قدموں سے لپٹ کر وہیں رہ جانے کا بھی تہہ کر لیا۔ پوری طرح آپ نے تیاگ دیا اپنی ماں کو۔ اور آپ چاہتے ہیں کہ میں بھی اسے چھوڑ دوں۔ تیاگ دوں۔ چلی جاؤں یہاں سے۔ نہیں اسرار بھائی نہیں۔ میں ایسا نہیں کر سکتی۔ میں اپنی ماں کی آغوش سے دور نہیں جاسکتی۔ میں اسکی چھاتی سے خود کو الگ نہیں کر سکتی۔ میں خود کو اجنبی دھرتی۔ اجنبی آسمان

میں خود کو نہیں رکھ سکتی۔ میرا دم گھٹ جائے گا۔ میں اپنے بچوں کو اذنانوں کی آواز مندروں کی شنکھوں، گردواروں کی بھجن کی آوازوں سے دور نہیں کر سکتی۔

یہ میرا دلش ہے یہیں ہم نے جنم لیا ہے۔ اسی مٹی سے ہم اٹھے ہیں۔ اسی مٹی میں ہمیں جذب ہونا ہے ورنہ روح بھٹکے گی اسے ٹھکانہ نہیں ملے گا۔ دیکھئے نظر اٹھا کر دیکھئے کتنی ضرورت ہے یہاں داکٹروں اور انجینئروں کی۔ پروفیسروں کی سائنس دانوں کی۔ تاکہ ہمارا ملک فائدہ اٹھا سکے۔ اونچا اٹھا سکے گے اسے کیا سب مل کر کوشش کریں۔ تو ہمارا ملک بھی امریکہ نہیں بن جائے گا۔ پھر کیوں اپنی محنت کو دوسروں پر ضائع کریں خود کو دوسروں کو رحم و کرم پر چھوڑ دیں۔ پھر کیوں اپنی محنت دوسروں پر ضائع کریں خود کو دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں۔ اسرار صاحب۔ پردیس کے عیش و آرام پر اپنے دلش اپنی دھرتی کی بھینٹ کو میں ترجیح دیتی ہوں۔ اپ گریں کارڈ ہولڈر ہیں۔ آپ کو فخر ہے اس پر میں بھی بھارت ماں کی بیٹی ہوں مجھے فخر ہے اس پر۔ آپ یہاں رہ نہیں سکتے۔ میں یہاں سے جا نہیں سکتی۔ اس لیے ہمارا ملاپ ممکن نہیں۔ آپ کو بہت لڑکیاں ملیں گی جو ڈالروں کے لیے آپ کے ساتھ آئیں گی۔ انہیں لے جائیے۔ میری نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ مجھے یہیں رہنے دیجیے۔ یہیں میرا سب کچھ ہے خدا حافظ فقط آپ کی سارہ۔

منظر بدل گیا تھا۔ ٹپ سے ایک قطرہ میرے ہاتھ پر آگرا تھا۔ اور میں چونک پڑا۔ وہ میرا آنسو تھا۔ جانے کب کے نہاں خانے سے نکل کر آنکھ کے راستے بہہ آیا تھا۔ مٹ جانے کے لیے لٹ جانے کے لیے شائد۔ میں نے اخبار کو تہہ کر کے بیگ میں رکھ لیا۔ اسی وقت اناؤسمنٹ شروع ہوا تھا۔ اناؤسریکار رہا تھا۔ اسرار احمد پلیز ٹیک یور سیٹ۔ دی پلین اور ادا یاوٹ ٹویو۔ اسرار احمد۔ پلیز۔

غار کا پتھر

پرانے وقتوں کی بات ہے تین آدمی سفر پر جا رہے تھے راستہ ایسا کھٹن اور دشوار گزار تھا کہ کہیں ریگستان میں سے گزر ہوتا۔ کہیں جھاڑیوں کا جنگل آجاتا اور کہیں پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ تینوں مسافر پہاڑوں میں سے گزر رہے تھے کہ یکا یک طوفانی آندھی آگئی۔ اس کے ساتھ ہی آسمان سے بارش اور اولوں کی بوچھاڑ شروع ہونے لگی۔ انہیں اور تو کچھ نہ سوجھا۔ سامنے ایک غار نظر آیا اور وہ اس خوفناک طوفان سے بچنے کے لیے اسی غار میں جا گھسے۔

آندھی چلتی رہی بارش اور اولے برستے رہے اور وہ تینوں سہمیے ہوئے اس منظر کو دیکھتے رہے۔ وہ دعائیں مانگ رہے تھے کہ الہی! اس طوفان سے نجات دلا۔ اتنے میں پہاڑ کی چوٹی سے ایک بڑا سا پتھر گر اور غار کا منہ بند ہو گیا۔ اب تو وہ سخت گھبرائے۔ پتھر ہٹانے کے لیے تینوں نے مل کر زور لگایا مگر وہ پتھر اتنا بھاری تھا کہ اپنی جگہ سے ذرا نہ سرکا۔

غار سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ تینوں مسافر مایوس ہو کر بیٹھ گئے۔ اور موت کا انتظار کرنے لگے۔ ان میں سے ایک نے کہا دوستو آؤ اپنے اپنے اچھے کاموں کو یاد کر کے اللہ سے دعا مانگیں۔ شاید اللہ تعالیٰ ہمیں اس مصیبت سے بچالے۔ ایک مسافر نے کہا ”اللہ میاں تو تو جانتا ہے کہ میں اپنے بچوں کو حلال روزی کھلانے کے لیے دن رات محنت کرتا ہوں۔ میں نے حرام کا لقمہ نہ کبھی خود کھایا ہے نہ بچوں کو کھلایا ہے۔ خدا یا! اگر میرا یہ کام تجھے پسند ہے تو اس پتھر ہٹا کر ہمیں موت کے منہ سے نکال۔“ پتھر ذرا سا سر کا اور باہر سے روشنی کی ایک ہلکی سے لیکر اندر آنے لگی۔

دوسرا مسافر بولا ”اے خدا تو جانتا ہے کہ میں نے ہمیشہ غریبوں اور محتاجوں کی مدد کی ہے اور کسی سائل کو اپنے دروازے سے کبھی خالی ہاتھ نہیں پھیرا۔ اگر میرا یہ کام تجھے پسند ہے تو ہمیں ہلاکت سے نجات بخش۔“ پتھر اور ذرا سے سرک گیا۔ مگر ابھی اتنی جگہ خالی نہ تھی کہ اس میں سے آدمی باہر نکل سکے۔

تیسرے مسافر نے کہا۔ الہی تو جانتا ہے کہ میں سارا دن بکریاں چراتا ہوں۔ شام کو گھر آتا ہوں تو بکریوں کا دودھ دھوتا ہوں اور وہ دودھ سب سے پہلے اپنے بوڑھے ماں باپ کو پلاتا ہوں۔ اس کے بعد اپنے بیوی بچوں کو دیتا ہوں۔ میرے ماں باپ مجھ سے خوش ہیں۔ اگر میرا یہ کام تجھے پسند ہے تو ہمیں اس مصیبت سے بچالے۔ جو نہی دعا ختم ہوئی پتھر لڑھکا اور نیچے جا کر اور غار کا منہ کھل گیا۔ اس وقت تک آندھی اور بارش کا طوفان بھی ختم ہو چکا تھا۔ تینوں مسافروں نے خدا کا شکر ادا کیا ہے اور غار سے باہر نکل کر اپنے راستے پر چل دیے۔

بہادر چیونٹی

ایک جنگل میں سبھی جانور آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان میں ایک ہاتھی بھی تھا جس کو اپنی طاقت پر بڑا ناز تھا۔ وہ جنگل کے چھوٹے موٹے جانوروں کو تنگ کرتا اور خوش ہوتا۔ ہاتھی کے سامنے جو چیز بھی آتی وہ اسے روند ڈالتا۔ وہ درختوں کو اپنی سونڈ میں لپیٹ کر اکھاڑ پھینکتا۔

جنگل کے بادشاہ شیر نے ہاتھی کو سمجھایا کہ وہ سکون سے رہے اور دوسرے جانوروں کو تنگ نہ کرے۔ لیکن ہاتھی کو اپنی قوت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ جنگل میں ایک جگہ چیونٹیوں کی بستی تھی۔ ہاتھی نے وہاں سے گزرتے ہوئے اپنے بھاری بھر کم پاؤں سے بہت سے چیونٹیوں اور ان کے گھروں کو روند ڈالا۔

ہاتھی بہت اتراتا کہ پاؤں کی ایک ہی حرکت سے بے شمار چیونٹیاں مر گئیں۔ دوسرے دن بھی وہ اسی جگہ جا پہنچا۔ اور بہت سے

چیونٹیوں کو ختم کر دیا۔ ایسا کرنا اس نے اپنا معمول ہی بنا لیا۔ وہ ہر روز چیونٹیوں کے بلوں کو تباہ کر دیتا تھا۔ ہاتھی کے مسلسل ظلم سے چیونٹیاں پریشان ہو گئی۔ ان میں سے ایک چیونٹی بڑی سمجھدار اور بہادر تھی۔ اس نے سب چیونٹیوں کو مشورے کے لیے جمع کیا۔ تمام چیونٹیاں ڈری ہوئی تھیں۔ بہادر چیونٹی نے کہا کہ ہم سب مل کر ظالم ہاتھی کا مقابلہ کریں گے۔ چیونٹیوں نے سوال کیا کہ وہ کس طرح پہاڑ جیسے ہاتھی کا مقابلہ کر سکتی ہیں۔

بہادر چیونٹی نے بڑی ہمت سے جواب دیا۔ اللہ کی مدد مظلوم کے ساتھ ہوتی ہے۔ ہم ظالم ہاتھی کو مزہ چکھا کر رہیں گے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ظالم کے ظلم کو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کرتا۔

دوسرے دن پھر ہاتھی چیونٹیوں کی بستی میں آیا اور ان کو روندنا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ اچانک اس کا ایک پاؤں جھاڑی میں اٹک گیا۔ وہ جیسے ہی رکا بہادر چیونٹی اور اسکے ساتھی تیزی سے اس کی سوئٹ میں پہنچ گئے۔ ہاتھی کی سوئٹ کا اندرونی حصہ بہت نرم اور نازک ہوتا ہے۔ چیونٹیوں نے پوری طاقت سے سوئٹ کے اندرونی حصے پر کاٹنا شروع کیا۔

ہاتھی نے سوچا بھی نہ تھا کہ کمزور چیونٹیاں اس کے مقابلے پر اتر آئیں گی۔ ہاتھی درد سے چنگھاڑنے لگا۔ اس کے چلانے سے جنگل کے سبھی جانور اس کے اطراف جمع ہو گئے۔ ہاتھی نے اپنی سوئٹ کو ادھر ادھر ہلا کر بڑی کوشش کی کہ چیونٹیاں باہر نکل جائیں۔ لیکن چیونٹیاں اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر ایڑی چوڑی کا زور لگا کر کاٹی رہیں۔ یہاں تک کہ ہاتھی تکلیف کی شدت سے بے حال ہو کر زمین پر گر پڑا۔ یوں مغرور اور ظالم ہاتھی کو اس کے ظلم کا بدلہ مل گیا۔ تمام چیونٹیوں نے بہادر چیونٹی اور اس کے ساتھیوں کا شکریہ ادا کیا۔ پھر کسی ہاتھی کی اس بستی سے گزرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

پیارے بچو! تکبر اور ظلم کرنے والے کو اللہ تعالیٰ سخت ناپسند کرتے ہیں۔ کسی کو حقیر اور کمزور سمجھ کر تکلیف نہیں دینی چاہیے۔

غور کا انجام

مغرور اور شیخی خور کو اللہ پسند نہیں کرتا

ایک دفعہ کچھ لوگ ایک نہر کے کنارے تفریح کے لیے گئے۔ ان میں ایک بچی بھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا غبارا تھا۔ تیز ہوا کا ایک جھونکا آیا تو غبارا بچی کے ہاتھ چھوٹ کر نہر میں جا گرا۔ بچی ہاتھ ملتی رہ گئی اور غبارا یہ جا وہ جا۔ بچی کے ابو نے اسے رنجیدہ دیکھا تو دلاسا دیا کہ بیٹی جانے دو۔ ہم شہر چل کر تمہیں اور غبارا دلادیں گے۔

وہ لوگ تو تھوڑی دیر ہوا خوری کر کے واپس چلے گئے۔ مگر غبارا نہر کی لہروں پر تیرتا رہا تیرتے تیرتے کنارے پر آگیا۔ اس جگہ

اتفاق سے مینڈکوں کے بچے کھیل رہے تھے۔ ان کی نظر جو اس عجیب و غریب چیز پر پڑی تو سب اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اور اسے حیرت سے دیکھنے لگے۔ پہلے تو ڈر کے مارے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ غبارے کو چھوئے۔ اتفاق سے جب ایک بچہ کا پاؤں غبارے سے جا ٹکرایا اور غبارے نے کچھ نہ کہا تو اسی بچے نے جان بوجھ کر دوبارہ غبارے کو لات ماری لات لگنے سے غبارا ذرا ہلا سب کو بڑا مزہ آیا اوروں نے بھی ہمت کر کے اس کے لاتیں رسید کیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے سب بچے اس پر پل پڑے کوئی لات مارتا، کوئی چھلانگ لگا کر سر سے ٹکر مارتا اور کوئی اسکی نلکی منہ میں لے کر اسے دور تک لے جاتا۔

غبارا مینڈک کے بچوں کی اس دھاچو کڑی سے ایسا گھبرایا کہ اسے وہاں سے بھاگتے ہی بن پڑی۔ وہ لہروں کے ساتھ ساتھ تیرتا ہوا گہرے پانی کی طرف چلا آیا۔ مینڈک کے بچوں نے کچھ دور تو اس کا تعاقب کیا مگر جب وہ زیادہ گہرے پانی میں پہنچ گیا تو ایک ایک کر کے سب واپس ہو گئے۔ انہیں ان کے ماں باپ نے گہرے پانی میں جانے سے منع کیا تھا۔ کیوں کہ وہاں بڑی بڑی مچھلیاں انہیں ہڑپ کرنے کے لیے ہر وقت موجود رہتی تھیں۔ واپسی میں وہ ایک دوسرے کو غبارے کے بھگا دینے کا الزام دینے لگے۔ ایک کہتا تو نے زور سے لات ماری تھی وہ تجھ سے ناراض ہو کر گیا ہے۔ دوسرا کہتا اور تو نے جو اس کی چونچ پکڑ کر کھینچی تھی۔ تجھ سے ناراض ہو کر گیا ہے۔ یہاں یہ جھگڑا چل ہی رہا تھا کہ سامنے سے ایک مینڈک آتا دکھائی دیا۔ یہ مینڈک بہت مغرور تھا۔ ہر ایک سے حقارت سے بات کرتا تھا اور کسی کو اپنے برابر نہیں جانتا تھا۔ اس کے اس غرور کو دیکھ کر سب مینڈکوں نے اسے مغرور مینڈک کہنا شروع کر دیا تھا۔ مغرور مینڈک نے بچوں کو ایک ساتھ دیکھا تو دور ہی سے بولا ”میرے راستے میں کیوں کھڑے ہو دیکھ نہیں رہے ہو میں آ رہا ہوں؟ کیا کر رہے تھے یہاں؟“ بچے ڈر کے مارے خاموش رہے تو اس نے پھر کہا ”سنئے نہیں ہو میں کیا پوچھ رہا ہوں؟ کیا کر رہے تھے یہاں؟“ انہوں نے سچ سچ بتا دیا کہ وہ ایک بڑی سے چیز کو تعاقب میں ادھر نکل آئے تھے۔ مغرور مینڈک نے گرج کر پوچھا ”کیا تھی وہ بڑی سی چیز؟“ ایک نے کہا: ”جی وہ ایسا تھا جیسے مچھلی کے پیٹ میں سے نکلتا ہے نا مگر وہ بہت بڑا گول“ دوسرے بچے نے اضافہ کیا ”بہت موٹے بالکل گول۔“ تیسرے کو بھی بولنے کی ہمت ہوئی۔

”بہت موٹا بالکل گول!“ مغرور مینڈک نے غصے سے کہا۔ ”کیا وہ مجھ سے بھی زیادہ موٹا تھا؟ یہ کہہ کر وہ غرور سے ذرا اور پھول

گیا۔

اس کی یہ حرکت دیکھ کر بچے اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکے۔ بچوں کی اس حرکت پر مینڈک کا پارا اور چڑھ گیا۔ اس نے اپنے آپ کو اور پھلا کر پوچھا کیا وہ اس سے بھی موٹا تھا؟ بچوں نے ایک زبان ہو کر کہا ”اس سے بھی موٹا اس سے بھی گول“ مغرور مینڈک کو یہ جواب سن کر اور بھی غصہ آیا۔ اس نے ایک لمبا سانس لے کر پورے پیٹ میں ہوا بھری اور پھر پوچھا۔ اس سے بھی موٹا؟ اس سے بھی گول؟“ اب تو وہ اتنا پھول گیا تھا کہ اس سے بات بھی نہیں کی جا رہی تھی۔ مگر غبارے کے مقابلے میں تو وہ اب بھی بہت کم تھا۔ چنانچہ بچوں نے پھر ایک زبان ہو کر وہی جواب دہرایا۔ اس سے بھی موٹا اس سے بھی گول“ اب تو مغرور مینڈک کے غصے کی کوئی حد ہی نہیں رہی۔

اس نے خود کو حد سے زیادہ پھلایا اور بولا ”اس سے بھی..... مگر اس سے پہلے کہ وہ جملہ مکمل کرتا ایک زوردار آواز پناخہ جیسی آئی۔ یہ مغرور مینڈک کے پیٹ پھٹنے کی آواز تھی۔

اس اچانک دھماکے سے مینڈک کے بچے ایک دم اچھل پڑے پھر حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکتے لگے۔ آخر ان میں سے ایک نے جو عمر میں سب سے بڑا تھا کہا۔ ”کسی نے ٹھیک ہی تو کہا ہے کہ غرور کا انجام برا ہوتا ہے۔“ نہ یہ غرور کرتا اور نہ اس کا یہ حشر ہوتا۔

درخت ہمارے دوست

غازی نے اخبار میں پڑھا کہ ۷/ ستمبر سے شجر کاری کا ہفتہ منایا جا رہا ہے۔ اسے بڑا تعجب ہوا۔ دوڑتا ہوا بھائی جان کے پاس گیا اور کہنے لگا۔ بھائی جان! آپ نے یہ خبر پڑھی کہ حکومت کی طرف سے شجر کاری کا ہفتہ منایا جا رہا ہے۔ آخر اس سے کیا فائدہ؟ بھائی جان بولے ”یہ تو بہت اچھی خبر ہے! درختوں سے تو بے شمار فائدے ہیں۔ کئی فائدے تو آپ خود ہی گنا دو گے.....“

”جی ہاں درختوں میں اچھے اچھے پھل لگتے ہیں۔ مثلاً آم، مردارو اور نارنگیاں۔“

بھائی جان نے کہا ہمارے کھانے پینے کی بہت سی چیزیں اور دوائیں درختوں سے حاصل ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ درخت ہمیں اور بھی بہت کچھ دیتے ہیں دیکھ تم جس کرسی پر بیٹھے ہو اسکی لڑکی درخت ہی سے حاصل ہوئی ہے۔ دروازے کھڑکیاں ریل کے ڈبے کشتیاں اور جہاز سب میں لکڑی کا استعمال ہوتا ہے۔ یہی نہیں، بہت سے لوگ اپنے گھروں میں ابھی تک اسے ایندھن کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔“ درخت ماحول کی آلودگی کم کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ موسم گرما میں ہمیں ٹھنڈا سایا دیتے ہیں۔ جب کہ موسم برسات میں بارش برسانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

تمہاری کتاب اور کاپی کا کاغذ کس چیز سے بنا ہے؟ یہ بھی یا تو بانس یا لکڑی کے گودے سے بنا ہے۔ یہ لکڑی کا گودا بھی بڑی کارآمد چیز ہے۔ اس سے عجیب عجیب چیزیں بنتی ہیں۔ تم نے پلاسٹک کی چیزیں دیکھی ہوں گی۔ یہ سیلولوز سے بنتی ہیں اور سیلولوز لکڑی کے گودے سے حاصل ہوتا ہے۔

سامان کی پیکنگ کے ڈبے اور کیمرے کی فلم اسی سے بنے ہیں۔ رے آن، کاچمکدار ریشم جیسا کیڑا دیکھا ہے؟ یہ بھی اسی سے بنتا ہے۔“ غازی نے کہا ”بھائی جان! ریشم کے کیڑے بھی تو درختوں ہی پر پالے جاتے ہیں۔“

بھائی جان بولے۔ ”ہاں تم ٹھیک کہتے ہیں ریشم کے کیڑے شہوت کے درختوں پر پالے جاتے ہیں یہ کیڑے ریشم کے کونے تیار کرتے ہیں۔ انہی کے تاروں سے بجلی کی چھوٹی چھوٹی مشینوں پر پہلے ریشمی دھاگا تیار کیا جاتا ہے اسی طرح درخت تن ڈھانکنے میں بھی ہماری مدد کرتے ہیں“

درختوں سے ہمیں اور بھی کئی فائدے ہیں۔ یہ زمین کو ریگستان بننے سے بچاتے ہیں کیوں کہ جن علاقوں میں گھنے جنگل ہوتے ہیں وہاں بارش زیادہ ہوتی ہے۔ درختوں کی جڑیں مٹی کو بارش کے پانی کے کٹاؤ اور بہنے سے بچاتی ہیں۔ ایسا نہ ہو تو ہمارے کھیت بخر ہو جائیں۔

”پھر یہ بھی دیکھو کہ درخت ہمارے گھروں، باغات اور شاہراہوں کی خوبصورتی کتنی بڑھا دیتے ہیں۔ یہ نہ ہوں تو ہماری تفریح گاہیں اور ہرے بھرے منظر ختم ہو جائیں۔ موسم بہار میں درخت نئی نئی کونپلوں اور خوشبودار پھولوں سے لد جاتے ہیں اور صبح شام ان پر چڑیاں شور مچاتی ہیں۔

غازی یہ باتیں سن کر بولا ”بھائی جان ہماری گلی میں نیم کا ایک چھوٹا سا پودا اُگا ہے۔ میں اسے اپنے گھر کے سامنے سڑک کے کنارے لگا دوں گا۔ اس کی پرورش اور دیکھ بھال کرتا رہوں گا وہ بڑا ہو جائے گا تو اس سے رونق بھی ہوگی۔ انسان اور پرندے اس کے سائے میں آکر تسکین بھی پائیں گے اور درخت لگانے والے کو دعائیں بھی دیں گے۔ ہندوستان کی کل آبادی میں سے ہر ایک شخص صرف ایک درخت لگائے تو نہ صرف یہ ہماری ضرورت پوری کرے گا بلکہ ہمارا ملک سرسبز اور شاداب بھی جائے گا۔

ہمدرد پیوہ

سردی کا موسم تھا۔ ٹھنڈی ہوا جسم کے پار ہوئی جا رہی تھی۔ رات کے گیارہ بجے تھے۔ سڑک سنسان ہو رہی تھی۔ بسوں اور موٹروں کا شور بند ہو چکا تھا۔ راہ گیر بھی اکے ڈکے ہی نظر آتے تھے۔ میں اپنے مکان کے برآمدے میں کھڑا تھا۔ یکا یک میری نظر ایک فقیر پر پڑی جو لاٹھی لیے ہوئے صدا لگا رہا تھا۔ بھائیو! مجھ اندھے فقیر پر رحم کرو۔

اتنے میں قریب کی گلی سے ایک عورت سڑک پر آئی پہلے تو اس نے ادھر ادھر چاروں طرف دیکھا پھر فقیر کے پاس جا کر اس کے ہاتھ میں کچھ دیا، آہستہ سے کچھ کہا پھر پلٹ گئی۔

فقیر کے ساتھ میں کاغذ کا ایک پرزہ تھا۔ جسے وہ اپنی انگلیوں سے ٹٹول رہا تھا۔ میں نے دل میں کہا: ”کیا اس عورت نے اسے کوئی چھٹی دی ہے؟ مگر کیوں؟ یہ جاننے کے لیے میں فوراً برآمدے سے اتر کر سڑک پر آگے آیا۔ فقیر کے پاس پہنچا اور چوٹی نکال کر کہنے لگا ”لو بابا، یہ لو۔“

فقیر نے چونی لے لی۔ پھر کچھ سوچ کر کاغذ کا وہ پرزہ مجھے دکھا کر کہا ”بابو جی ذرا دیکھنا یہ کیا ہے؟ میں نے دیکھا تو وہ سو روپیے کا نوٹ تھا۔ میں نے کہا ”بابا یہ تو سو روپیے کا نوٹ ہے۔ تمہیں کس نے دیا ہے؟“ فقیر نے جلدی سے نوٹ اپنی جھولی میں رکھ اور بولا ”خدا کی ایک بندی دے گئی ہے“

میں فوراً اس عورت کی تلاش میں دوڑا۔ وہ گلی کے کونے سے مڑتی ہوئی نظر آئی میں آہستہ آہستہ اپنی چال سے اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ تھوڑی دور چلنے پر وہ ایک جھونپڑی میں داخل ہو گئی۔ آدھی رات ہو چکی تھی۔ اس وقت میں نے اس سے کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا اور گھر لوٹ آیا۔ مگر میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہ جھونپڑی میں رہنے والی عورت ایک فقیر کو سو روپے کیسے دے گئی!

صبح گھر سے نکلا تو پہلے اسی گلی میں پہنچا۔ عورت کی جھونپڑی کے دروازے پر ٹاٹ کا پردہ پڑا تھا۔ اس کے برابر کی جھونپڑی کے سامنے ایک بڈھا بیٹھا منہ دھور ہا تھا۔ میں پوچھا ”بڑے میاں! اس جھونپڑی میں کون رہتا ہے؟“

وہ بولا ”ایک غریب بیوہ رہتی ہے، کیوں کیا بات ہے؟“

میں نے کہا ”نہیں کوئی بات نہیں، یوں ہی پوچھ رہا تھا۔“ ہماری باتیں سن کر وہی عورت باہر نکلی۔ پھٹے پرانے کپڑے اس کی مفلسی کا پتہ دے رہے تھے۔ اس نے پوچھا ”کیوں بھائی کیا بات ہے؟“

میں نے کہا ”مائی، تم نے رات فقیر کو.....“ میرا جملہ پورا نہیں ہوا تھا کہ وہ بول اٹھی۔ اجی وہ میرے کس کام کا تھا وہ تو مجھے راستے پر پڑا ہوا مل گیا تھا۔“

میں حیرت میں رہ گیا۔ وہ غریب ضرور تھی لیکن اس کا دل امیروں سے بھی امیر تھا۔

اندھا نصاب

بہت دن ہوئے ایک ہر ابھرا جنگل تھا اس میں سے ایک ہنس اور ہنسنی رہتے تھے۔ بڑے خوبصورت بڑے خوش بڑے مگن۔ جنگل کا ہر جانور ان سے پیار کرتا تھا۔ اور ان کا کہنا مانتا تھا وہ بھی سب کے ساتھ مل جل کر رہتے اور چین کی ہنسی بجاتے تھے۔

ایک دن ہنسنی نے ہنس سے کہا کہ ہمیں بہت دن اس جنگل میں رہتے ہو گئے ہیں۔ اس سے آگے کی دنیا کا ہمیں پتہ نہیں وہاں کیا ہے سنا ہے کہ دنیا بڑی لمبی چوڑی ہے۔ اس میں بڑی بڑی خوبصورت چیزیں ہیں بڑی اچھی اچھی آبادیاں ہیں بڑے دل کش نظارے ہیں آخر وہاں کی بھی تو چل کر سیر کرنی چاہیے۔ ہنس نے ہنسنی کی یہ بات سنی تو اسے سمجھایا اور کہا گھر سے نکلنے سے سو طرح کے خطرے ہیں کبھی کھانا نہیں ملتا۔ کبھی آرام نصیب نہیں ہوتا۔ کبھی دشمن پیچھے لگ جاتے ہیں کہیں جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ غرض اک اچھی خاصی مصیبت ہے تم یہیں رہو۔ تمہارے لیے گھر میں عزت اور راحت ہے مگر ہنسنی نے سنی ان سنی کر دی وہ برابر ضد کرتی رہی آخر ہنس کو اس کی بات مانتے ہی بنی۔

دونوں تیار ہو کر گھر سے نکلے۔ ایک لمبی اڑان لی اور جنگلوں پہاڑوں اور ندیوں کو پار کرتے ہوئے بہت دور نکل گئے۔ وہ اڑے جارے تھے کہ راستے میں انہوں نے ایک اجاڑ بستی دیکھی۔ ایسی اجاڑ کہ وہاں آدم زاد نہ کوئی جانور تھا نہ کوئی جاندار بس گرے پڑے

مکان خراب و خستہ گھر اور بے رونق کھنڈر تھے۔ جنہیں دیکھنے سے بھی ڈر لگتا تھا۔ یہ نظارہ دیکھ کر ہنسنی کو بڑا ڈر لگا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے ہنس سے پوچھا۔

پیارے ہنس یہ بستی اجاڑ کیوں ہوگئی؟ یہاں کے رہنے والے آخر کہاں چلے گئے؟ اور یہاں کی چہل پہل کو کیا ہوا؟ ہنس نے جواب دیا کیا تمہیں معلوم نہیں یہ الو کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ میں نے بڑے بوڑھوں کی زبانی سنا ہے کہ جہاں الو بیٹھ جاتا ہے وہاں اجاڑ ہو جاتا ہے۔ بستی برباد ہو جاتی ہیں اور چاروں طرف وحشت برسنے لگتی ہے چلو یہاں سے جلدی نکل جاؤ۔ کہیں چھپا ہوا الو بھی یہ باتیں سن رہا تھا۔ اسے بڑا غصہ آیا وہ اڑ کر ان کے پاس پہنچا اور ہنس کو ڈانٹتے ہوئے رعب دار آواز میں بولا۔ او ہنس کے بچے! کہاں جاتا ہے۔ یہ ہنسنی میری ہے مجھے دے ہنس بے چارہ پر ایسی تھا پہلے تو بہت ڈرا ہوا مگر پھر ہمت کر کے بولا۔ خدا سے ڈرو۔ ہنسنی کا اور تمہارا کیا میل۔ یہ ہنسنی ہے تم الو ہو کہیں آج تک کسی نے الو کے ساتھ کسی ہنسنی کو دیکھا بھی ہے۔

الو نے پھر گرج دار آواز میں کہا۔ ہم اس بات کو نہیں جانتے ہنسنی ہماری ہے تم اس کو یہیں چھوڑ کر اپنی راہ لو۔ ہنس بہت پریشان ہوا اس نے الو کی بہت منت سماجت کی مگر وہ اپنی اپنے نام کا الو تھا ذرا ٹس سے مس نہ ہوا۔ شور و غل سن کر بہت سے پرندے اکٹھے ہو گئے مگر سب الو سے ڈرتے تھے۔ بہت دیر تک بات چلتی رہی۔ آخر بڑی دیر کے بعد اس بات پر فیصلہ ہوا کہ یہاں سے پاس ہی گاؤں ہے وہاں چلو اور پنچایت میں فیصلہ کرالو۔ اور اضی ہو گیا۔ اسے پکا یقین تھا کہ جیت اسی کی ہوگی۔ چنانچہ سب مل کر گاؤں پہنچے اور پنچوں کے سامنے معاملہ پیش کیا۔ ہنس کی بد قسمتی سے پنچ بھی بس نرے پنچ ہی تھے۔ انہیں اللہ کا پتہ تھا نہ اس کے قانون کا نہ اپنی ذمہ داریوں کا ٹھیک ٹھیک علم تھا نہ آخرت کا باز پرس کا۔ وہ رشوتیں لیتے تھے من مانی کرتے اور مزے اڑاتے تھے۔

دونوں کی باتیں سن کر انہوں نے سوچا، ہنس ایک پر دیسی جانور ہے۔ پر دیسی کے ساتھ کیا پریت۔ الو اپنے ہی دیس کا ہے۔ اس کے ساتھ پھر واسطہ پڑے گا۔ ہم آج اس کی ہاں میں ہاں ملائیں گے۔ تو کل یہ ہماری صحیح کہے گا۔ انصاف کو کوں دیکھتا ہے انصاف تو طاقت کے ساتھ ہے ہمیشہ سے یہی ہوتا چلا آیا ہے جس کی لاٹھی اس کی بھینس، ہم کیا اسے بدل سکتے ہیں۔ غرض فیصلہ الو کے حق میں ہوا اور ہنسنی الو کو مل گئی۔

الو ہنسنی کو لے کر خوب اچھلا کودا اور بہت خوش ہوا۔ مگر بیچارہ ہنس پنچوں کے انصاف کو دیکھ کر سر پکڑ کر بیٹھ گیا جیسے اس کی کمر ٹوٹ گئی ہو۔ اسی طرح بہت دیر تک وہ روتا رہا روتا رہا۔ بڑی دیر بعد اس نے سر اٹھایا اور اڑنے کے لیے پرتو لے لے پھر الو راجہ کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا بھیا ہنس ذرا ٹھہرنا۔ پھر وہ اڑ کر اس کے پاس آیا اور بولا۔ تم نے بیسویں صدی کے پنچوں کا انصاف دیکھ لیا۔ انہوں نے جانتے بوجھے ہنسنی مجھے دلا دی مگر میں ایسا بے انصاف نہیں ہوں کہ ہنسنی کو رکھ لوں، تمہاری ہنسنی تمہیں مبارک۔ یہ تو میں نے تمہیں تماشہ دکھایا تھا۔ تم نے یہاں پہنچتے ہی میرے اوپر الزام لگایا تھا کہ جہاں الو بیٹھ جاتا ہے وہاں اجاڑ ہو جاتا ہے۔ ”بھیا اجاڑ میرے بیٹھنے سے

نہیں بلکہ جب آدمی بے انصافی پر اتر آتے ہیں۔ اپنے مالک کو بھول کر من مانی کام کرنے لگتے ہیں نیکی اور پاکیزگی کو چھوڑ کر ظلم و زیادتی کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غضب نازل ہو جاتا ہے اور بستی کو الٹ دیا جاتا ہے۔ جاؤ اللہ کا کرم ہو گیا ہے ورنہ تم بھی الٹ پھیر میں آ گئے تھے۔
ہنس اور ہنسنی اتنا سن کراڑ گئے۔



ممتاز شخصیات

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے اخلاق

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کا اخلاق دنیا کے سب انسانوں کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ آپ ﷺ اپنی نبوت کے اعلان سے پہلے بھی سچ بولنے کی وجہ سے ”صادق“ اور امانت دار ہونے کے سبب ”امین“ مشہور تھے۔

آپ ﷺ بیماروں کا حال جا کر پوچھتے۔ ان کے لیے دعا فرماتے۔ ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرتے، کمزور اور بوڑھے لوگوں کے کام میں ان کا ہاتھ بٹاتے۔ آپ ﷺ کے ہاں مہمان آتے تو ان کی خوب خاطر تواضع فرماتے۔

آپ ﷺ ہمیشہ مسکرا کر نرم لہجے میں بات فرماتے۔ کسی کو برا نہ کہتے۔ کبھی اپنی ذات کے لیے کسی سے بدلہ نہ لیتے بلکہ اپنے دشمنوں سے بھی اچھا اور نیک سلوک فرماتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے جب اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے سیدھے راستے کی طرف بلا یا تو وہ لوگ آپ کی جان کے دشمن بن گئے۔ ان ظالموں نے آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں۔ وہ آپ کے رستے میں کانٹے بچھاتے، آپ پر کوڑا کرکٹ پھینکتے، پھتر مارتے مذاق اڑاتے اور بے ہودہ آواز کستے۔

آپ کو اتنے دکھ دے کر بھی جب ان کو آپ کے ارادوں میں کوئی کمی محسوس نہ ہوئی تو انہوں نے آپ کو لالچ دیے۔ اپنا سردار

اور حاکم بنانا چاہا۔ بہت سماں اور روپیہ دینا چاہا مگر آپ نے اللہ کے حکم کو ہر حال میں ان تک پہنچانے کی کوشش کی اور ان کی کوئی بات نہ مانی۔

مکہ والوں نے مل کر فیصلہ کیا کہ آپ اور آپ کے خاندان بنی ہاشم کا مکمل بائیکاٹ کر دیا جائے۔ کوئی کسی طرح کا تعلق ان کے خاندان سے نہ رکھے۔ آپ نے بائیکاٹ کے یہ تین سال شعب ابوطالب میں اپنے خاندان والوں کے ساتھ گزارے مگر اللہ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کی دھن نہ چھوڑی۔

مکہ والوں سے مایوس ہو کر آپ طائف تشریف لے گئے۔ یہ مکہ سے کچھ دور ایک خوش حال بستی تھی۔ وہاں کے لوگ مکہ والوں سے بھی زیادہ سخت دل نکلے۔ انہوں نے آپ کی بات ہی نہ سنی اور نہ صرف بستی سے آپ کو نکال دیا بلکہ بستی کے آوارہ لڑکے بھی آپ کے پیچھے لگا دیے۔ وہ آپ کو پھتر مارتے اور آپ کا مذاق اڑاتے۔ آپ کا جسم زخموں سے چور چور ہو گیا۔ آپ کے جوتے خون سے بھر گئے مگر آپ نے ان کے لیے بدعا نہ فرمائی۔ بلکہ اپنے اللہ کے حضور رو کر دعا مانگی۔ ”یا اللہ طائف والوں پر اپنا رحم فرما کیوں کہ یہ تیرے نبی کو نہیں جانتے“

آپ نے اپنے ماننے والوں کو ایک سچی اور اچھی زندگی گزارنے کے طریقے بتلائے۔ ان کو حق اور سچی بات کہنے، دیانت اور ایثار سے کام لینے اور صبر اور شکر سے رہنا سکھایا۔ اچھی تجارت کے اصول بتائے کہ آپس کے لین دین میں دھوکہ نہ کریں۔ مال میں ملاوٹ نہ کریں۔ ناپ تول میں کمی نہ کریں۔ آپ کے ایثار کا یہ حال تھا کہ اپنی ضرورت پر ہمیشہ دوسروں کی ضرورتوں کو ترجیح دیتے۔ کبھی کوئی سائل آپ کے در سے خالی نہ گیا۔ آپ وعدے کے پکے تھے۔ آپ کی تعلیمات پر چل کر آپ کے صحابہ کی زندگی برائیوں سے پاک ہو گئی۔ وہ سب نیک اور ایک بن گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ
کی شجاعت

حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ تھے۔ آپؑ نے ہمت سی جنگوں میں حصہ لیا۔ کافروں سے سخت مقابلے کیے۔ ہر جنگ میں انتہائی بہادری سے لڑے اور فتح حاصل کی۔ آپؑ کی بہادری کی وجہ سے رسول پاک ﷺ نے آپؑ کو اسد اللہ یعنی ”اللہ کا شیر“ کہا۔

ایک دفعہ مدینے پر کافروں نے حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے مدینے کے باہر خندق کھود رکھی تھی۔ خندق کی وجہ سے کافر مدینے میں داخل نہ ہو سکے۔ آخر ایک دن ایک بہت طاقت ور پہلوان نے خندق پار کر لی اور مسلمانوں کو مقابلے کے لیے لاکارا۔ حضرت علیؑ، رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر اس کے مقابلے کے لیے آگے بڑھے اور اس سے کہا۔ ”میں نے سنا ہے کہ تو تین باتوں میں ایک بات ضرور پوری کرتا ہے“۔ اس نے جواب دیا ”ہاں“۔

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں تجھ سے تین باتیں کہتا ہوں۔ پہلی بات یہ کہ تو اسلام قبول کر لے۔ اس نے کہا ”یہ ہونہیں سکتا“ پھر آپؑ نے فرمایا۔ ”دوسری بات یہ کہ تو مسلمانوں سے مت لڑ اور واپس چلا جا“۔ اس نے جواب دیا۔ ”اگر میں بغیر لڑے واپس چلا جاؤں تو عورتیں میرا مذاق اڑائیں گی اور مجھے بزدل کہیں گی“۔ حضرت علیؑ بولے تو پھر تیسری بات یہ ہے کہ ”میرا مقابلہ کر“۔ آپؑ کی یہ بات سن کر اس پہلوان کو غصہ آ گیا اس نے آپؑ پر پوری طاقت سے تلوار کا وار کیا۔ آپؑ نے پہلوان کا وار روک لیا۔ پھر بھی آپؑ کی پیشانی زخمی ہو گئی۔ آپؑ نے زخم کی پروا نہ کی اور جواب میں اس کافر پر تلوار کا ایسا بھرپور وار کیا کہ اس کا خاتمہ ہو گیا۔

حضرت علیؑ جب مسلمانوں کے خلیفہ بنے تو انہوں نے اسلامی حکومت کا انتظام بہت اچھے طریقے سے چلایا آپؑ غریب اور امیر کے ساتھ ایک سا سلوک کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؑ اپنے خادم کے ساتھ کپڑا خریدنے بازار گئے۔ خادم سے کہا کہ وہ اپنے اور ان کے لیے کپڑا پسند کرے۔ خادم نے آپؑ کے لیے اچھا اور اپنے لیے معمول کپڑا پسند کیا۔ پھر کپڑا لے کر آپؑ درزی کے پاس گئے۔ آپؑ نے درزی سے کہا کہ اچھے کپڑے کا جوڑا غلام کے لیے اور معمولی کپڑے کا جوڑا امیر کے لیے سی دے۔ اس پر خادم نے عرض کی۔ ”اے امیر المؤمنین! میرے لیے اتنے اچھے کپڑے کی کیا ضرورت ہے؟“

آپؐ نے فرمایا: ”بھائی، تم جوان ہو۔ تمہارے لیے اچھا کپڑا مناسب ہے۔“

ایک بار کسی جنگ میں آپؐ کی زرہ کھو گئی۔ جنگ سے واپسی پر معلوم کہ وہ زرہ ایک یہودی کے پاس ہے۔ آپؐ نے قاضی کی عدالت میں اس یہودی کے خلاف شکایت کر دی۔ قاضی نے حضرت علیؑ اور یہودی دونوں کو عدالت میں طلب کیا۔ حضرت علیؑ نے قاضی کو بتایا کہ یہ زرہ میری ہے۔ قاضی نے آپؐ سے کہا کہ آپ اس سلسلے میں کوئی ثبوت یا گواہ پیش کریں۔ حضرت علیؑ نے گواہ کے طور پر اپنے بیٹے اور غلام کو پیش کیا۔ قاضی نے ان کی گواہی کو تسلیم کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ایک آپ کا بیٹا اور دوسرا غلام ہے۔ بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں قبول نہیں کی جاسکتی۔ اسی طرح غلام کی بھی کیوں کہ وہ اپنے مالک کے خلاف گواہی نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد قاضی نے فیصلہ یہودی کے حق میں میں دے دیا زرہ حضرت علیؑ کی تھی۔ لیکن انہوں نے خلیفہ ہوتے ہوئے بھی قاضی کے فیصلے کو تسلیم کر لیا۔ اس بات کا یہودی پر بڑا اثر ہوا اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس نے وہ زرہ بھی حضرت علیؑ کو واپس کر دی۔ ایک بار عید کے موقعہ لوگوں نے عرض کیا ”امیر المومنین! آپؐ کے لباس میں پیوند لگے ہوئے ہیں۔ اگر آپؐ بھی عید کے لیے نئے کپڑے تو خرید لیں کیا ہی اچھا ہو! آپؐ نے جواب دیا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شہر کے ہزاروں لوگ پرانے لباس میں اور میں نئے کپڑے پہنوں۔“

آپؐ نے فرمایا:-

غریب وہ ہے جس کا کوئی دوست نہ ہو۔

علم مال سے بہتر ہے

علم خوبی کی خوبی اس پر عمل کرنے سے ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی دانائی

(خلیفہ۔ عالم۔ حق دار۔ توشہ۔ سیر۔ قصہ)

حضرت علیؓ مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ تھے۔ وہ بہت بہادر بھی تھے اور بہت بڑے عالم بھی انصاف کرنے میں بھی ان کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ حق دار کو اس کا حق دلاتے تھے۔ ان کے زمانے کا قصہ ہے کہ دو آدمی ایک ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک کے توشے میں پانچ روٹیاں تھیں اور دوسرے کے توشے میں تین روٹیاں۔ دونوں کچھ دور چلے تھے کہ ایک تیسرا مسافر ان کے ساتھی ہو گیا۔ اس کے پاس کوئی توشہ نہ تھا۔

جب دو پہر ہوئی اور کھانے کا وقت آیا تو تینوں مسافر پانی کے ایک چشمے کے پاس بیٹھ گئے دسترخوان بچھایا اور توشے کی روٹیاں نکال کر کھانے لگے۔ تینوں نے سیر ہو کر سب روٹیاں کھالیں تو تیسرا مسافر کہنے لگا ”بھائیوں! اب میں یہاں سے دوسری طرف جاؤں گا۔ میں نے تمہاری روٹیاں کھائی ہیں یہ آٹھ درہم لے لو۔ آپس میں بانٹ لینا“۔ مسافر اپنی راہ چلا گیا تو پانچ روٹیوں والے نے پانچ درہم خود لے لیے اور باقی تین درہم اپنے ساتھی کو دیے۔ ساتھی نے کہا ”بھائی یہ کہاں کا انصاف ہے! ہم کو برابر برابر یعنی چار چار درہم لینے چاہئیں“۔ اس نے کہا بھائی اور انصاف کیا ہوگا؟ میری پانچ روٹیاں تھیں اس لیے پانچ درہم میں لے رہا ہوں اور تین درہم آپ کو دے رہا ہوں“۔

تین روٹیوں والے نے کہا ”اچھا! ہم دونوں حضرت علیؓ کی خدمت میں چلیں اور یہ مسئلہ پیش کریں اس پر وہ جو بھی فیصلہ کریں، مان لیں“۔

ساتھی نے کہا ”بہت اچھی بات ہے۔ وہ تو خلیفہ ہیں۔ ان سے بڑھ کر کون بہتر فیصلہ کر سکتا ہے؟ دونوں مسافروں نے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا پورا قصہ سنایا۔ حضرت نے سن کر تین روٹیوں والے سے فرمایا تمہارا ساتھی اپنی خوشی سے تین درہم تمہیں

دے رہا ہے لے لو، اسی میں تمہارا فائدہ ہے“ اس پر وہ کہنے لگا ”حضور وہ کیسے؟ یہ تو عجیب بات ہے!“

حضرت علیؓ نے فرمایا ”دیکھو، کھانے والے تین آدمی تھے اور روٹیاں آٹھ تھیں۔ یہ تین آدمیوں پر برابر تقسیم نہیں ہو سکتیں، اس لیے ہر روٹی کے تین ٹکڑے کرو۔ کل ۲۴ ٹکڑے ہوئے۔ ان کو تین پر تقسیم کر دو تو ہر آدمی کے حصے میں آٹھ ٹکڑے آئے۔ جس آدمی کی پانچ روٹیاں تھیں اس کی روٹیوں کے پندرہ ٹکڑے ہوئے اس نے آٹھ ٹکڑے خود کھائے اور سات ٹکڑے اپنے تیسرے ساتھی کو کھلائے۔ تمہارے پاس تین روٹیاں تھیں، ان کے نو ٹکڑے ہوئے۔ آٹھ تم نے کھائے اور ایک ٹکڑا تیسرے ساتھی کو ملا۔ اس طرح تیسرے مسافر نے تمہاری روٹی میں سے ایک ہی ٹکڑا کھایا اور تمہارے ساتھی کی روٹیوں میں سے سات ٹکڑے اس کے حصہ میں آئے۔ اس لیے ایک درہم تمہارا حق ہے اور سات درہم تمہارے اس ساتھی کا حق ہے۔“

حضرت فاطمہ
زہرا رضی اللہ عنہا

حضرت فاطمہ زہرا ہمارے پیارے نبی ﷺ کی چہیتی بیٹی تھیں۔ والدہ ماجدہ حضرت خدیجہ الکبریٰ کے انتقال کے بعد آپ کی پرورش نبی پاک کے زیر سایہ ہوئی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی تھیں کہ رسول کریم حضرت فاطمہ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ جب بھی آپ گسی غزوے یا سفر سے واپس تشریف لاتے تو نمازوں سے فارغ ہو کر سیدھے حضرت فاطمہ سے ملنے جاتے۔ ایک موقع پر حضور اکرم نے فرمایا ”فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ جس نے اسے دکھ پہنچایا اس نے مجھے دکھ پہنچایا“ آپ جب کبھی حضور کے پاس تشریف لاتیں تو حضور پاک آپ کی محبت میں کھڑے ہو جاتے اور آپ کی پیشانی پر بوسہ دیتے۔

حضرت فاطمہ کو بھی آپ سے بے حد محبت تھی۔ جنگ احد میں حضور اکرم زخمی ہو گئے تھے اور دشمنوں نے یہ خبر بھی اڑادی کہ حضور شہید ہو گئے ہیں۔ حضرت فاطمہ کو جب یہ خبر ملی تو یہ سن کر آپ کو بہت دکھ ہوا اور دوڑی دوڑی جنگ کے میدان میں جا پہنچیں حضور کو حیات پا کر انہیں سکون ہوا۔ پھر آپ کے زخم دھوئے اور چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخموں میں بھردی جس سے خون بند ہو گیا۔

حضرت فاطمہ کا نکاح حضرت علی سے نہایت سادہ طریقہ سے مسجد نبوی میں ہوا۔ نکاح کے بعد حاضرین میں شہد کا شربت اور کھجوریں تقسیم کی گئیں۔ شادی کے بعد آپ کو جو سامان دیا گیا بہت سادہ تھا جو صرف کھجوروں کی چھال سے بھرے ہوئے ایک گدے، چمڑے کے ایک تکیے، ایک گرم چادر، آٹا پیسنے کی چکی، ایک مشکیزے، دو گھڑوں اور ایک لوٹے پر مشتمل تھا۔ آپ نے اپنی زندگی اپنے شوہر حضرت علی کے ساتھ نہایت خلوص و محبت سے گزاری۔ حضرت فاطمہ کی زندگی بہت سادہ تھی۔ آپ گھر کا سارا کام خود کرتیں۔

کھانا پکاتیں، جھاڑ دیتیں، کپڑے ستیں اور چکی پر آٹا پیسیں۔ چکی پیسنے سے آپ کے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے۔ پھر بھی آپ ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتیں۔ آپ راتوں کو عبادت میں مشغول رہتیں۔ اپنے بچوں کی تربیت پر خاص توجہ دیتیں۔ حضرت حسن اور حضرت حسین جیسی عظیم ہستیوں نے آپ ہی کی مبارک گود میں پرورش پائی۔

آپؐ انتہائی ہمدرد اور بے حد سخی خاتون تھیں۔ کوئی ضرورت مند آپؐ کے دروازے سے کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔ دوسروں کی تکلیف پر آپؐ غمگین ہو جاتی تھیں اور ان کی ہر ممکن مدد کرتی تھیں۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ آپؐ کا روزہ تھا۔ سارہ دن بھوک اور پیاس کی تکلیف برداشت کرنے کے بعد جب روزہ افطار کرنے لگیں تو ایک سائل نے کھانے کا سوال کیا۔ آپؐ نے وہ کھانا سائل کو دے دیا اور خود بھوکا رہنا گوارا کر لیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے حضرت فاطمہؑ کو بلا کر ان کے کان میں کچھ فرمایا۔ حضور پاکؐ کی بات سن کر آپؐ بے اختیار رو پڑیں۔ پھر حضورؐ نے مزید کچھ فرمایا تو آپؐ ہسکرا دیں۔ حضور پاکؐ کے وصال کے بعد لوگوں نے دریافت کیا تو آپؐ نے بتایا کہ میں پہلی بات سن کر اس لیے رو پڑی تھی کہ حضورؐ نے فرمایا: میں اب دنیا کو چھوڑ رہا ہوں۔ دوسری بات سن کر میں اس لیے خوش ہوئی کہ آپؐ نے فرمایا: اہل بیتؑ میں سے تم ہی سب سے پہلے میرے پاس پہنچو گی۔

رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد آپؐ بہت غمگین رہنے لگیں۔ آپؐ حضور پاکؐ کی جدائی برداشت نہ کر سکیں اور حضور اکرمؐ کی رحلت کے تقریباً چھ ماہ بعد اس دنیا سے رحلت فرما گئیں۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت، شوہر کی اطاعت اور محبت، بچوں کی تربیت، صبر و شکر سخاوت اور اخلاق کے اعتبار سے حضرت فاطمہؑ زہراؑ کی زندگی مسلمان عورتوں کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام

پچھلے زمانے میں لوگ جب بھی اللہ کا حکم نہیں مانتے تھے۔ برائی عام ہو جاتی تھی۔ لوگ اللہ کے سوا دیگر کی عبادت کرنے لگتے۔ اس وقت اللہ اپنے رسول کو بھیجتے۔ رسول ان لوگوں کو ایک اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیتے۔ اچھی باتیں بتاتے اور بری باتوں سے منع فرماتے۔ رسولوں کی محنت اور کوشش سے لوگوں میں سے برائیاں ختم ہو جاتی تھیں۔

ایک قوم جب اللہ کے سوا دیگر کی عبادت کرنے لگی اور ان میں برائیاں بہت زیادہ عام ہو گئی تھیں۔ تو اللہ نے ایک رسول کو ان کے پاس بھیجا جن کا نام نوحؑ تھا۔ حضرت نوحؑ اپنی قوم کے پاس جا کر ان کو سمجھاتے کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ ان لوگوں نے حضرت نوحؑ کی بات نہیں مانی۔ ان کا مذاق اڑایا اور انہیں بہت ستایا۔ جب بھی آ ان لوگوں سے بات کرتے وہ لوگ کانوں میں انگلیاں ٹھوس لیتے انکی ایک بات نہ سنتے تھے۔

حضرت نوحؑ اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال تک سمجھاتے رہے، اتنی لمبی مدت میں صرف چند لوگ حضرت نوحؑ پر ایمان لائے اور باقی لوگ نافرمانی کرتے رہے۔ حضرت نوحؑ نے اللہ سے دعا کی اے اللہ میں نے اس قوم کو رات دن سمجھایا یہ لوگ میری بات ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ اللہ نے حضرت نوحؑ سے فرمایا اے نوحؑ! تم رنج نہ کرو۔ عنقریب ہم ان لوگوں کو عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ بس تم ایک کشتی بنا لو اور اپنے ساتھیوں، جانوروں اور پرندوں کے ایک ایک جوڑے کو اس میں بٹھالو۔ نافرمان قوم کو ہم پانی میں ڈبو کر ہلاک کر دیں گے۔

حضرت نوحؑ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر کشتی بنانے لگے۔ کافر لوگ جب ان کو کشتی بناتے ہوئے دیکھتے تو ہنستے اور کہتے کشتی کہاں چلاؤ گے۔ یہاں پر پانی ہی نہیں ہے۔ اگر تمہارے خدا نے پانی بھیج بھی دیا تو ہم بڑے بڑے پہاڑوں پر چڑھ جائیں گے۔ آج ایک دن حضرت نوحؑ نے بڑی کشتی تیار کر لی اس میں تین منزلیں تھیں حضرت نوحؑ نے نیچے کی منزل میں جانوروں ایک ایک جوڑے کو بٹھایا اور پہلی منزل پر پرندوں کے جوڑوں کو بٹھالیا درمیانی منزل میں خود نوحؑ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھ گئے۔ اللہ کے حکم کا انتظار کرنے

لگے۔ آسمان سے موسلا دھار بارش شروع ہوئی اور زمین سے بھی پانی نکلنے لگا دیکھتے ہی دیکھتے ہی خشک زمی ایک جوش مارتے دریا میں تبدیل ہوگئی۔ اونچے اونچے پہاڑ، درخت سب پانی میں ڈوب گئے۔
اس طرح اللہ تعالیٰ نے ساری نافرمان قوم کو ڈبو کر ہلاک کر دیا۔ کچھ مد بعد طوفان تھم گیا۔ حضرت نوحؑ کی کشتی جو دی پہاڑ پر جا کر ٹھہری۔ سب ہی لوگ صحیح سلامت زمین پر اتر آئے۔
پیارے بچو یہ! اللہ اسی طرح اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتے ہیں اور برے لوگوں کو سزا دیتے ہیں

مشقیں

آؤ پڑھیں اور سمجھیں

الفاظ و معانی

معانی	الفاظ
روکنا	منع کرنا:
آدمیوں کا گروہ۔ فرقہ	قوم:
حکم نہ ماننا	نافرمانی:
سزا	عذاب:
سوکھا	خشک:

حضرت سلیمان علیہ
السلام کا بچپن

حضرت سلیمانؑ اللہ کے نبی تھے حضرت سلیمانؑ کے والد حضرت داؤدؑ بھی اللہ کے نبی تھے اللہ تعالیٰ نے دونوں کو نبی بھی بنایا اور بہت بڑی بادشاہت بھی دی۔ حضرت سلیمانؑ پر تو اللہ اتنا بڑا فضل تھا کہ جانوروں کی بولیاں بھی سمجھ لیتے تھے اللہ تعالیٰ نے جنوں اور ہوا کو بھی حضرت سلیمانؑ کے بس میں کر دیا تھا۔

حضرت سلیمانؑ جب چھوٹی عمر کے تھے تو آپ کی والدہ صاحبہ آپ کو بڑی اچھی اچھی نصیحتیں کیا کرتی تھیں نماز پڑھنے کی بڑی تاکید کرتیں۔ پیارے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”حضرت سلیمانؑ کی والدہ صاحبہ نے انکو نصیحت کی تھی کہ بیٹا! رات بھر نہ سوتے رہا کرو، رات کا زیادہ حصہ نیند میں گزار دینا انسان کو قیامت کے دن اچھے کاموں سے محتاج بنا دیتا ہے۔“

حضرت سلیمانؑ ساری نصیحتوں کو توجہ سے سنتے اور جو کچھ سکھایا جاتا وہ کرتے بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو سمجھ بھی بڑی اچھی دی تھی۔ ان کے بچپن کی وہ باتیں بہت مشہور ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بچپن میں کتنے سمجھ دار تھے۔

1. ایک بار حضرت داؤدؑ کی عدالت میں ایک مقدمہ پیش ہو رہا تھا۔ حضرت سلیمانؑ بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے اس وقت عمر شریف صرف گیارہ برس تھی مقدمہ یہ تھا کہ ایک شخص کا دوسرے شخص پر یہ دعویٰ تھا کہ اس کی بکریوں نے میرا سارا کھیت چر لیا اور روند کر تھس تھس کر ڈالا کھیت والے کا جتنا نقصان ہوا تھا اور وہ قریب قریب اتنا تھا جتنے کی وہ بکریاں تھیں۔ حضرت داؤدؑ نے فیصلہ فرمایا یہ بکریاں کھیت والے کو اس کے کھیت کے نقصان کے بدلہ دی دی جائیں حضرت سلیمانؑ بیٹھے ہوئے مقدمہ دیکھ رہے تھے۔ فیصلہ سن کر بولے ابا جان آپ کا فیصلہ تو بالکل ٹھیک ہے کھیت والے کا جو نقصان ہوا وہ اسے ضرور ملنا چاہیے لیکن میری سمجھ میں ایک صورت اس سے بھی اچھی ارہی ہے۔“

حضرت داؤدؑ نے پوچھا وہ کیا صورت ہے؟ بولے بکریوں کا گلہ کھیت والے کو دے دیا جائے وہ ان کا دودھ پیے اور ان سے فائدہ اٹھاتا رہے اور بکریوں کے مالک سے کہا جائے کہ وہ اس کے کھیت کو پھر سے جوتے بولے پھر جب فصل تیار ہو جائے تو

کھیت والے کو فصل کے ساتھ کھیت دے دے اور اپنی بکریا واپس لے لیں

حضرت داؤد علیہ السلام کو بیٹے کا یہ فیصلہ بہت پسند آیا اور پھر یہ حکم دے دیا۔

۲: ایک اور مقدر کا فیصلہ اس سے زیادہ سمجھ داری سے کیا۔ یہ مقدمہ بڑا دلچسپ بھی ہے ہوا یہ کہ دو عورتیں سفر کر رہی تھیں دونوں کی گود میں ایک ایک بچہ تھا دونوں ایک جگہ رات کو ٹھہریں بڑی عمر کی عورت کا لڑکا بھیڑ یا اٹھالے گیا۔ صبح ہوئی تو اس نے چھوٹی عمر کی دعوت کا بچہ چھین لیا اور کہا اور کہا کہ یہ بچہ میرا ہے دونوں اس بچے کے لیے جھگڑنے لگیں مقدمہ حضرت داؤدؑ کی عدالت میں پہنچا وہاں بڑی عمر کی عورت نے ایسی چالاکی باتیں کی کہ حضرت داؤدؑ نے بچہ اسی کو دلادیا۔ چھوٹی عمر کی عورت روتی چلاتی عدالت سے نکلی راستے میں حضرت سلیمانؑ ملے حال پوچھا تو قصہ معلوم ہوا حضرت سلیمانؑ نے دونوں عورتوں کو بلایا بچے کو لیا اور حکم دیا کہ بچے کو آدھا آدھا کاٹ کر ایک ایک حصہ دونوں کو دے دیا جائے۔

یہ حکم سنا تو چھوٹی عمر والی عورت اور زیادہ رونے لگی بولی حضور بچے کو نہ کاٹیں اسی کے پاس رہنے دیجئے۔ میرا بچہ میرے پاس نہ رہے نہ سہی وہ زندہ تو رہے گا کاٹنے سے مر جائے۔ حضرت سلیمان نے یہ سنا تو کہا یہ بچہ چھوٹی عمر والی عورت کا ہے پھر جا کر حضرت داؤدؑ پوری بات بتائی معاملہ حضرت داؤدؑ کی سمجھ میں آ گیا انہوں نے بڑی عمر والی عورت کو سزا دی۔ اس طرح چھوٹی عمر والی عورت کا بچہ اسے مل گیا۔

تحریک آزادی کا پہلا ہیرو

”شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے“۔ یہ جملہ ہندوستان کے مشہور حکمران ٹیپو سلطان نے کہا تھا۔ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں میں ٹیپو سلطان شہید کا مقام بلند ہے۔ وہ ایک عالم، ذہین بہادر، نماز روزے کے پابند اور رعایا کا خیال رکھنے والے حکمران تھے۔

ٹیپو سلطان شہید ۱۷۵۰ء میں میسور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد حیدر علی میسور کے والی تھے۔ وہ ایک بزرگ ٹیپوستان کے بے حد عقیدت مند تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنے بیٹے کا نام بھی ٹیپو ہی رکھ دیا۔ چار سال کی عمر میں ٹیپو کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ تھوڑے ہی عرصے میں اسلامی تعلیمات اور عربی فارسی میں اہلیت پیدا کر لی۔ جلد ہی انگریزی اور فرانسیسی زبانیں بھی سیکھ لیں۔ جوان ہونے تک ماہر استادوں کی تربیت سے تمام جنگی فنون میں مہارت حاصل کر لی۔ ان کے والد ابتدا ہی سے جنگوں میں انہیں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ وہ اپنے والد کے انتقال کے بعد ۱۷۸۲ء میں تخت نشین ہوئے۔

ٹیپو سلطان شہید ایک بہادر سپہ سالار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک متقی اور پرہیزگار انسان تھے۔ نماز فجر کے بعد قرآن پاک کی تلاوت بلاناغہ کرتے تھے۔ وہ انتہائی خوش اخلاق اور اہل علم کے قدردان تھے۔ کبھی ایسا لباس نہیں پہنا جس سے نماز پڑھنے میں دقت ہوتی ہو۔ انہوں نے اپنی ریاست میں اعلان کر دیا تھا کہ کوئی عورت اوڑھنی بغیر گھر سے نہ نکلے۔

ایک حاکم کی حیثیت سے ٹیپو سلطان شہید نے عوام کی ترقی اور خوشحالی کے لیے بے مثال کام کیے۔ وہ حکمران کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھتے تھے۔ اس لیے رعایا کی ترقی اور خوشحالی کے لیے کام کرنے کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔

انہوں نے باہر کے ملکوں سے انجینئر بلوا کر نئے نئے کارخانے لگوائے۔ ریشم کی پیداوار میں اضافے کے لیے ریشم پیدا کرنے والے کیرے باہر سے منگوائے اور ریشم کے فارم قائم کیے۔ دریاؤں پر بند بندھوا کر نہریں نکلوائیں۔ پھل دار درخت کثرت سے لگوائے

کسانوں کو قرضہ دینے کا رواج ڈالا۔ اسلحہ سازی کے کارخانے قائم کیے۔ ریاست کی حفاظت کے لیے سمندری فوج قائم کی۔ جہازوں کی نقشے خود تیار کرتے تھے۔ ان میں لوہے کی جگہ تانبے کا استعمال شروع کیا۔

اس دور میں ہندوستان میں انگریز ظاہری طور پر تو تجارت کے لیے آئے تھے لیکن آہستہ آہستہ انہوں نے ہندوستان پر اپنا قبضہ جما نا شروع کر دیا۔ ٹیپو سلطان نے ان کے ارادوں بھانپ لیا۔ اس لیے اس مرد مجاہد نے ان کو یہاں سے بھگانے کے لیے کوششیں کیں۔ اس سلسلے میں انگریزوں نے ٹیپو سلطان سے کئی بار جنگ کی لیکن وہ سلطان کی بہادری کا مقابلہ نہ کر سکے۔ آخر انہوں نے ٹیپو سلطان کے خلاف سازشوں کا جال بچھا دیا۔ انہوں نے سلطان کے افسروں کو رشوتیں دے کر سلطان شہید کے خلاف غداری پر آمادہ کر لیا۔ ساتھ ہی انہوں نے مرہٹوں اور نظام دکن کو بھی لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس طرح انگریزوں نے قلعے کے تین طرف سے سلطان پر حملہ کر دیا۔ جنگ کے دوران سلطان کے غدار افسروں نے دشمن کی فوج کو آگے بڑھنے کا موقع دیا۔ ادھر کچھ غداروں نے قلعے کا پچھلا دروازہ کھول دیا جس سے انگریز فوج پیچھے سے بھی قلعے میں داخل ہو گئی اور جنگ شروع کر دی عین لڑائی کے وقت سلطان کے ایک غدار وزیر خزانہ نے جس کا نام پورنیا تھا سپاہیوں کو تنخواہ دینے کے بہانے میدان جنگ سے بلوایا۔ اس طرح سلطان اپنے چند جاں نثاروں کے ساتھ تنہا رہ گئے۔ اس نازک موقع پر ایک جاں نثار نے مشورہ دیا کہ سلطان ہتھیار ڈال کر انگریزوں سے صلح کر لیں۔ مگر غیرت مند سلطان نے انکار کرتے ہوئے جو جملہ کہا وہ قیامت تک بہادریوں کی رہنمائی کرتا رہے گا انہوں نے کہا ”شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے“۔ یہ کہہ کر وہ دشمن کے سامنے ڈٹ گئے۔ جسم زخموں سے چور ہو گیا لیکن انگریز فوج کا مقابلہ کرتے رہے اتنے میں ایک گولی ان کے دل قریب لگی اور وہ گھوڑے پر سے گر گئے۔ ایک انگریز سپاہی نے زمین پر پڑے ہوئے سلطان کی تلوار لینی چاہی۔ لیکن انہوں نے زخمی حالت ہی میں تلوار کا ایسا وار کیا کہ اس انگریز کی ٹانگ کٹ گئی۔ اس نے تاک ایک گولی سلطان کے سر پر ماری جس سے آپ شہید ہو گئے۔ اس طرح تحریک آزادی کے اس پہلے ہیرو نے ۲۴ مئی ۱۷۹۹ء کو شہید ہو کر ہمیشہ کی زندگی پائی۔

بیگم حضرت محل

ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں لڑی گئی انگریزوں کی غلامی سے اپنے وطن کو آزاد کرانے کے لیے مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی میدان جنگ میں کام آگئی تھیں۔ ہندوستان کی ان بہادر عورتوں میں سے ایک کا نام بیگم حضرت محل تھا۔

بیگم حضرت محل اودھ کے آخری نواب واجد علی شاہ کی بیگم تھیں۔ وہ فیض آباد کے ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ ماں باپ نے ان کا نام امر اور کھان کا بچپن فیض آباد میں گزرا۔ جب وہ لکھنؤ آئیں تو واجد علی شاہ کی بیگم بنیں واجد علی شاہ اودھ کے تخت پر بیٹھے تو انہوں نے اپنی چہیتی بیگم کو 'حضرت محل صاحبہ' کا خطاب دیا اور ان کے بیٹے برجیس قدر کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔

انگریزوں نے ہندوستان کے ساتھ تجارت کرنے کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کی تھی۔ آہستہ آہستہ یہ کمپنی حکومت کے کاموں میں دخل دینے لگی ہر ریاست میں ان کا ایک نمائندہ رہتا تھا۔ اودھ میں حکومت کا سارا انتظام دھیرے دھیرے کمپنی کے نمائندے نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور آخر کار کمپنی کی حکومت نے واجد علی شاہ کو تخت سے اتار کر کلکتے میں نظر بند کر دیا اور اودھ پر پورا قبضہ کر لیا۔

اس وقت اودھ میں ایسے بلند حوصلہ لوگ بہت کم تھے جو کمپنی کے خلاف اٹھتے اور بادشاہت کو واپس لانے کی ہمت کرتے، مگر بیگم حضرت محل خاموش نہ بیٹھ سکیں۔ انہیوں نے اپنے بیٹے کو تخت پر بٹھایا اور انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ انگریزی فوج سے مقابلہ کرنے کے لیے انہوں نے دہلی کے تاجدار بہادر شاہ ظفر، نانا صاحب پیشوا اور مولوی احمد اللہ شاہ سے مدد مانگی۔ احمد اللہ شاہ کی مدد سے انہوں نے گیارہ دن کے اندر اندر اودھ کو اپنے قبضے میں کر لیا۔

بیگم حضرت محل بہت ہی سرگرم خاتون تھیں۔ انہوں نے محل کی عورتوں کا ایک فوجی گروہ تیار کیا تھا۔ محل کی لونڈیاں، باندیاں ان کی نگرانی میں قواعد کیا کرتی تھیں۔ انہوں نے جاسوس عورتوں کی بھی ایک جماعت تیار کی تھی ان کی ماتحتی میں اودھ کی بہت سی عورتیں مردانہ لباس پہن کر اور ہتھیار سجا کر جنگ کرتی تھیں۔

بیگم حضرت محل جنگ کے مختلف مورچوں پر عام فوجیوں کے ساتھ شریک ہو کر جنگ کرتی تھیں۔ ان کی موجودگی کی وجہ سے آزادی

کے متوالوں کا جوش اور بڑھتا گیا۔ اس طرح پونے دو برس تک اودھ کی آزادی کی جنگ جاری رہی۔ انگریزی فوج کے جنرل اوٹرم نے پیغام بھجوایا کہ اگر بیگم جنگ روک کر معافی نامہ داخل کر دیں تو کمپنی کی طرف سے برہمیں قدر کی تحت نشینی پر غور کیا جائے غیرت مند اور خود دار بیگم حضرت محل نے انگریزوں کی اس شرط کو ماننے سے انکار کر دیا اور جنگ جاری رکھی۔ اسی زمانے انگلستان کی ملکہ وکٹوریہ نے عام اعلان کیا کہ جو حکمران اور فوجی رہنا معافی مانگ لیں گے ان کی جان بخشی کی جائیگی۔ بیگم حضرت محل نے اپنے سپاہیوں کو جمع کر کے درد اور جوش بھری ایک تقریر کی اور کہا کہ ملکہ وکٹوریہ کی بات کے دھوکے میں نہ آئیں۔ آزادی کی جدوجہد جاری رکھیں۔

لیکن قسمت نے بیگم حضرت محل ک ساتھ نہ دیا۔ انگریزوں کے مقابلہ پر ہر جگہ ہندوستانیوں کو شکست ہو رہی تھی۔ جنگ آزادی کے سب رہنما ایک ایک کر کے یا تو مارے جا چکے تھے یا گرفتار ہو رہے تھے ایسی حالت میں اکیلی بیگم حضرت محل کے لیے انگریزوں کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ وہ اپنے کچھ وفادار ساتھیوں کو لے کر لکھنؤ سے نپال کی طرف روانہ ہو گئیں۔ نپال کے راجا نے انگریزوں خلاف بیگم کی مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ صرف اتنا کیا کہ بیگم حضرت محل اور ان کے بیٹے برہمیں قدر کو پناہ دے دی مگر بیگم کے ساتھیوں کو نپال میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ملی۔ تھوڑے ہی دن میں وہ سب تتر بتر ہو گئے۔ بیگم حضرت محل کے لکھنؤ چھوڑتے ہی اودھ پر انگریزوں کا پورا قبضہ ہو گیا جلد ہی انگریز ہمارے ہندوستان پر قابض ہو گئے۔ اس موقع پر بیگم حضرت محل کو بھی معافی کا پروانہ بھیجا گیا اور کہا گیا کہ فیض آباد، لکھنؤ یا جہاں جی چاہ رہ سکتی ہیں۔ لیکن جس وطن میں آزادی کی زندگی گزاری تھی وہیں جا کر غلامی کی فضا میں سانس لینا بیگم حضرت محل نے پسند نہیں کیا۔ نپال ہی میں گمنامی کی زندگی گزار کر انتقال کیا۔ نپال کی راجدھانی کھٹمنڈو کے ایک ویران سے گوشے میں بیگم حضرت محل کی قبر ہے جو دیکھنے والوں کو آج بھی اس پہلی جنگ آزادی کی کہانی سناتی اور بتاتی ہے کہ مادر ہند کی بیٹیاں بھی خودداری، بہادری اور عزم و استقلال میں کسی سے کم نہیں ہوتیں۔